فضائلِ صحابہؓ و اہلبیتؓ

مع مکتوبات شاہ عبد العزیزؒ و شاہ رفیع الدینؒ دہلوی ؒ

مصنّفہ

شاہ عبد العزیز دہلویؒ

۱۲۴۳ھ
۱۸۲۴ء

قومی کتب خانہ لاہور

هوالمستعان

سلسلہ سیرت وکردار

فضائل

صحابہؓ واہل بیتؓ

مع

مکتوبات شاہ عبدالعزیز وشاہ رفیع الدین (دہلوی)

از شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ (۱۲۴۳ھ/۱۸۲۴ء)

مع مقدمہ

محمد ایوب قادری ایم اے

ناشر

بیگم ہمایوں ٹرسٹ ۵ ریلوے روڈ لاہور

سال طباعت — فروری ۱۹۶۷ء

بار دوم — ایک ہزار

قیمت — ۹/۵۰ ساڑھے سات روپے

مطبوعہ — انجمن حمایت اسلام پریس لاہور

محمد نصیر ہمایوں نے باجازت محمد نعمت اللہ قادری مالک پاک اکیڈیمی کراچی بعد تصحیح
بیگم ہمایوں ٹرسٹ کے لئے .... ۶۵ ریلوے روڈ لاہور سے
شائع کیا۔

فضائلِ صحابہؓ واہلِ بیت

یعنی مجموعہ رسائل

(۱) سرالجلیل فی مسئلۃ التفضیل

(۲) عزیزالاقتباس فی فضائلِ اخیارالناس

(۳) وسیلۃ النجات

(۴) مکتوبات شاہ عبدالعزیزؒ وشاہ رفیع الدین دہلوی

مؤلفہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۴ء

(۵) حجۃ الوداع یعنی رسولِ اکرمؐ کا آخری خطبہ

فہرست مضامین

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

مقدمہ

از محمد ایوب قادری ایم اے

شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی، ۲۵ رمضان ۱۱۵۹ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۷۴۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے تاریخی نام "غلام حلیم" ہے علوم متداولہ کی تحصیل اپنے والد شاہ ولی اللہ سے کی، والد کے انتقال کے بعد شیخ محمد عاشق پھلتی (م ۱۱۸۷ھ) خواجہ محمد امین کشمیری (ف ۱۱۸۷ھ ۱۷۷۳ء) اور ان کے خسر مولوی نور اللہ بڈھانوی (م ۱۱۸۷ھ ۱۷۷۳ء) نے تربیت فرمائی۔ سترہ سال کی عمر میں اپنے والد کے جانشین ہوئے علوم معقول و منقول میں علامۂ روزگار تھے۔ نامور مدرس، مصنف، خطیب، واعظ، شیخ طریقت، مفتی محدث اور مفسر تھے انہوں نے علوم دینیہ اور ملت اسلامیہ کی بڑی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ وہ مرجع علماء و مشائخ تھے، تمام عمر درس و تدریس، افتاء، فصل خصومات، وعظ و پند اور تلامذہ کی تربیت و اصلاح میں صرف کر دی۔ ۷ شوال ۱۲۳۹ھ مطابق ۵ جون ۱۸۲۴ء کو دہلی میں انتقال ہوا اور اپنے آبائی قبرستان مہندیوں میں دفن ہوئے۔ مومن دہلوی نے شاہ عبدالعزیز کے انتقال پر جو قطعہ تاریخ کہا ہے اس کا آخری شعر نقل کیا جاتا ہے جس سے تاریخ برآمد ہوتی ہے۔

بے سرو پا گشتہ انداز دست بیداد اجل
عقل و دین، لطف و کرم، فضل و ہنر، علم و عمل

۱۰+۱+۹ + ۲۰۰ + ۸۰۰ + ۵۰ + ۳۰ + ۴۰ سنہ ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء

شاہ عبدالعزیز کے ایک ہمعصر وقائع نگار مولوی عبدالقادر رام پوری... (ف سنہ ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء) لکھتے ہیں [1]

"مولوی شاہ عبدالعزیز، علم تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت اور تاریخ میں شہرہ آفاق تھے اور ہیئت، ہندسہ، مجسطی، مناظرہ اصطرلاب، جرثقیل، طبیعیات، الٰہیات، منطق، مناظرہ، اتفاق اختلاف، ملل، نحل، قیافہ، تاویل، تطبیق، مختلف اور تفریق شتبہ میں یگانۂ زمانہ تھے، فن، ادب اور ہر قسم کے اشعار سمجھنے میں بلند مرتبہ رکھتے تھے، منقول میں کلام اللہ اور حدیث سے دلیل پیش کرتے تھے اور معقول میں جو ثبوت مناسب سمجھتے خواہ خواہ یونانیوں میں سے افلاطون، ارسطو اور متکلمین میں سے فخر رازی وغیرہ کے اقوال کی تائید میں مبتلا نہیں ہوتے تھے اور اپنی تحقیقات کو فن معقول میں صاف صاف بیان کرتے تھے چاہے وہ کسی کی رائے کے موافق کے ہو یا نہ ہو۔"

---

[1] علم و عمل (وقائع عبدالقادری)، مرتبہ محمد ایوب قادری جلد اول ص ۴۳، ۴۴ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی سنہ ۱۹۶۰ء

شاہ عبدالعزیز کا زمانہ ہندوپاکستان کے مسلمانوں کے زوال و انحطاط کا دور ہے وہ محمد شاہ بادشاہ (ف ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) کی حکومت کے آخری زمانے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے احمد شاہ (معزول ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء) عالم گیر ثانی (ف ۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء) شاہ عالم ثانی (ف ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء) اور اکبر ثانی (ف ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء) کا زوال پذیر دور حکومت دیکھا یہ مغل بادشاہ اپنے وزراء اور امراء کے ہاتھوں مجبور اور بے بس تھے، شاہ عبدالعزیز کے بچپن میں احمد شاہ اندھا کر کے قید کر دیا گیا۔ عالمگیر ثانی کو قتل کر کے اس کی نعش جمنا کی ریتی میں پھینک دی گئی، شاہ عالم ثانی مدتوں پورب میں بھٹکتا پھرا۔ پھر انگریزوں سے معاہدہ کے بعد سیدھا کی حمایت میں اس نے دہلی کے اجڑے تخت کو زینت بخشی، مگر بابر و اکبر کا یہ جانشین حسرت و یاس کی زندہ تصویر تھا آنکھ بصارت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا کس حسرت سے کہتا ہے ؎

صرصر حادثہ برخاست پئے خواری ما
داد بر باد سر و برگ جہانداری ما

۱۸۰۳ء میں دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اکبر شاہ ثانی برائے نام پنشن خوار تھا۔ مغل متاخرین کے زمانہ میں غیر مسلم طاقتیں پوری قوت سے ملک میں ہنگامہ آرا تھیں، پنجاب میں سکھوں، آگرہ اور بھرت پور میں جاٹوں اور تمام ملک میں مرہٹوں نے ادھم مچا رکھا تھا۔ مرہٹوں کے ہاتھوں بستیاں ویران اور غیر آباد ہو چکی تھیں۔ کسی کا جان و مال ان سے محفوظ نہ تھا۔ مرہٹوں نے سترہ حملے تو شمالی ہند پر کئے جن میں پہلا حملہ ۱۱۵۲ھ/۱۷۴۰-۱ء اور آخری حملہ ۱۲۲۹ھ/۱۸۰۴ء میں ہوا۔ مرہٹوں نے چھ مرتبہ بنگال پر تاخت کی پہلی مرتبہ ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲-۱ء میں آخری مرتبہ

سنہ ۱۱۶۶ھ / ۳-۱۷۵۲ء میں حملہ آور ہوئے مرزا ظہیر الدین اظفری لکھتے ہیں [1]

"یہ تمام خرابیاں مرہٹوں کی بدعملی اور بدنظمی کی وجہ سے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ ان دکھنیوں کی مملکت میں آبادی کیونکر باقی رہے گی ہم نے تو اپنی زندگی میں یہی دیکھا کہ جب ہمارے ملک پر دکھنیوں کا عمل ہوا تو کوئی ایسی خرابی نہ تھی جو ملک میں نہ آئی ہو غرض ہندوستان کی یہ ساری تباہی دکھنیوں کے آنے کا نتیجہ ہے۔"

مرہٹوں اور سکھوں کے مظالم کے متعلق خود شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے چچا شاہ اہل اللہ (ف سنہ ۱۱۸۷ھ / ۷۴-۱۷۷۳ء) کو منظوم عربی حکایت میں لکھا ہے [2]

"اللہ تعالیٰ سکھ اور مرہٹوں کو ہماری طرف سے مزہ چکھائے بہت برا مزہ بہت جلد بلا تاخیر و مہلت کے، ان شریروں نے اللہ کی بہت سی مخلوق کو شہید کر ڈالا، اور غریب گدڑیوں تک کو اپنے ظلم و ستم سے ستایا، ہر سال یہ ہماری بستیوں اور شہروں پر چڑھائی کرتے ہیں اور ہم پر صبح و شام حملہ کرتے رہتے ہیں۔"

مرکزی حکومت کی کمزوری اور بدحالی سے صوبے دار خود سر ہو چکے تھے بنگال میں علی وردی خاں اور اودھ میں برہان الملک سعادت خاں نے اپنی حکومتیں قائم کر لیں، دکن میں آصف جاہ نظام الملک کا اقتدار تھا۔

---

[1] واقعات اظفری از مرزا ظہیر الدین اظفری (مرتبہ عبدالقادر، بہ تصحیح و ترجمہ محمد حسین محوی صفحہ ۱۱۱ مدراس سنہ ۱۹۳۷ء) [2] تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ از مولانا مناظر احسن گیلانی صفحہ ۲۹،۳۷ (طبع طاادب کراچی سنہ ۱۹۵۳ء)

یہ تو سیاسی حالات کا ایک ہلکا سا جائزہ ہے، معاشی، اقتصادی، معاشرتی اور مذہبی حالات بد سے بدتر تھے اس زمانے کی عام تاریخیں، شخصی وقائع، روزنامچے شعراء کے شہر آشوب اور دوسرا اہم عصر ادب اس موضوع پر خاصی معلومات فراہم کرتا ہے محمد شاہ کے زمانے میں دکن کے ایک رئیس درگاہ قلی خاں (ف ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء) نے دہلی کی سیاحت کی ہے یہ سیاحت نامہ "مرقع دہلی" کے نام سے طبع ہو چکا ہے اس کے پڑھنے سے شرم و حیا کی آنکھیں جھک جاتی ہیں اور غیرت و حمیت کو حجاب آتا ہے۔ سپاہی اور بادشاہ، عامی اور عالم ہر شخص حقیقت اور واقعیت سے فرار اختیار کرتا ہے۔ عمل سے گریز اس دور کی عام خصوصیت ہے، بدعات اور محدثات کا نہ در ہے، تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ ایسے زمانے میں شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی اصلاحی تحریک شروع کی حقیقت یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے یوں تو اصلاح و تبلیغ کے ہر مورچہ کو سنبھالا مگر "شیعیت اور تفضیلیت" کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو جس کوشش اور حسن تدبیر سے روکا یہ انہیں کا حصہ تھا اور یہ اس زمانے کا سب سے اہم مسئلہ تھا آیئے اب ذرا اس مسئلہ کا تاریخ کی روشنی میں جائزہ لیں۔

مغل متاخرین کے زمانے میں شاہی دربار میں ایرانی اور تورانی (شیعہ اور سنی) دو مستقل پارٹیاں تھیں۔ سیاسی اثر و اقتدار کے لئے ان دونوں پارٹیوں میں مسابقت ہوتی تھی۔ ایرانی پارٹی اگرچہ اقلیتی پارٹی تھی۔ مگر اثر و اقتدار کے اعتبار سے بہت مضبوط اور مستقل تھی۔ وہ بہت تدبر اور تنظیم سے کام کرتی تھی اور اکثر کامیاب ہوتی تھی۔ اس کا اثر دربار سے لے کر بازار تک تھا۔ یوں تو اس تنظیم و فکر کی بنیاد دکن کی شیعہ حکومتوں نے قائم کی مگر شمالی ہند میں ہمایوں کے دوبارہ ہندوستان آنے

پر اس جماعت کو فروغ حاصل ہوا۔ اکبر کی پالیسی مذہبی معاملہ میں بڑی آزادانہ تھی۔ اس کا فائدہ بھی بلاواسطہ اسی جماعت کو ہوا، اس کے زمانے میں نور اللہ شوستری (ف ۱۰۱۹ھ / ۱۶۱۰-۱۱ء) دار السلطنت لاہور کے قاضی مقرر ہوئے ان کی کتاب مجالس المومنین مشہور ومعروف ہے۔ جس میں انہوں نے اہل سنت کے اکابر مشائخ وعلماء کو "زمرہ مومنین" میں دکھایا ہے۔ جہانگیر کے زمانے میں زمام حکومت نور جہاں کے ہاتھ میں تھی۔ شاہ جہاں کے زمانے میں نور جہاں کے بھائی آصف خاں اور اس کے خاندان کو اقتدار حاصل رہا کیونکہ آصف خاں کی کوششوں سے شاہجہاں "تخت شاہی" پر متمکن ہوا تھا اور اس کی بیٹی ممتاز محل، شاہجہاں کی چہیتی بیگم تھی۔ اورنگ زیب عالمگیر یوں تو متعصب سنی مشہور ہے۔ مگر اس کے امراء مصاحبین میں اہل تشیع کی ممتاز تعداد نظر آتی ہے۔ اورنگ زیب کا فرزند، بہادر شاہ اول جب تخت نشین ہوا تو اس نے شیعہ مسلک اختیار کیا، مؤلف سیر المتاخرین لکھتے ہیں [1]

"چوں بہ تحقیق خود مذہب شیعہ امامیہ را حق می دانست ہمیں مسلک اختیار نمودہ"

اور اس کی تبلیغ واشاعت میں کوشاں ہوا [2]

"در ترویج وتقویت مذہب شیعہ می کوشید"

اس نے اپنے نام میں "سید" کا اضافہ کیا اور چوتھے سال جلوس ۱۱۲۱ھ / ۱۷۰۹-۱۰ء میں اپنے شیعہ وزیر منعم خاں کے مشورہ سے حکم دیا کہ جمعہ کے خطبہ میں خلفائے راشدین کے

---

[1] [2] سیر المتاخرین جلد دوم از غلام حسین طباطبائی صفحہ ۳۸۱ (نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۷ء)

ذکر میں حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ "علی ولی اللہ وصی رسول اللہ" داخل کیا جائے اس حکم سے جمہور اہل سنت میں بد دلی پیدا ہوئی اور اس پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے احمد آباد (گجرات) میں ایک خطیب مارا گیا۔ لاہور میں بات اس سے بھی زیادہ بڑھی، بہادر شاہ نے علمائے لاہور کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ مولانا یار محمد کی قیادت میں مولوی محمد مراد دوسرے تین علماء کے ہمراہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے بادشاہ نے خود مباحثہ و مناظرہ کیا۔ مگر مولانا یار محمد نے نہایت جرأت اور استقامت سے اعلان حق کیا اور اپنے موقف پر ثابت قدم رہے بادشاہ نے برآشفتہ ہو کر کہا کہ "تو بادشاہوں کے غضب سے نہیں ڈرتا" تو اس مرد مجاہد نے جواب دیا[1]

"میں اپنے خدا سے چار چیزوں کی آرزو رکھتا تھا اول تحصیل علم دوم حفظ کلام اللہ سوم حج چہارم شہادت، الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے تین نعمتیں عطا کیں، آرزوئے شہادت باقی ہے امیدوار ہوں کہ بادشاہ کی توجہ سے اس میں ہوں"

اس مناظرہ کے نتیجہ کے سلسلہ میں شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی لکھتے ہیں[2]

"اس مباحثہ میں کئی روز لگے ایک ایک آدمی جن میں بعض افغان تمن دار بھی تھے۔ حاجی یار محمد سے متفق ہوئے شاہزادہ عظیم الشان بھی خفیہ

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد نہم از شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی صفحہ ۷۴ (شمس المطابع دہلی ۱۸۹۸ء)

[2] تاریخ ہندوستان جلد نہم از مولوی ذکاء اللہ صفحہ ۷۴

اس جماعت کا طرفدار تھا آخر کو جب حیدر نے خطبہ کے لئے عرضی دی

تو بادشاہ نے اس پر دستخط کئے کہ عالمگیر کے زمانے کی طرح خطبہ پڑھا

جایا کرے، اس طرح جھگڑا ختم ہوا کہتے ہیں کہ بادشاہ نے حاجی یار محمد

اور دو اور فاضلوں کو جن سے وہ آشفتہ خاطر تھا ایک قلعہ میں بھیج دیا۔"

اس کے بعد سید برادران قطب الملک عبداللہ خاں (ف ۱۱۳۵ھ / ۱۷۲۲ء) اور امیر الامراء حسین علی خاں (ف ۱۱۳۲ھ / ۱۷۲۰ء) کا دور وزارت آیا اور ان دونوں بھائیوں نے اس قدر اقتدار اور غلبہ حاصل کیا کہ "بادشاہ گر" مشہور ہوئے وہ ملکی سیاست پر ہر طرح چھا گئے۔ ان کے عقائد و نظریات خوب اشاعت پذیر ہوئے اور انہیں قبول عام حاصل ہوا۔ امیر الامراء حسین علی خاں ہر مہینے کی گیارہ اور بارہ تاریخ کو مجلس منعقد کرتے تھے صمصام الدولہ شاہنواز خاں لکھتے ہیں [1]

احداث مجلس یازدہم و دوازدہم ہر ماہ در بلاد عظیمہ

دکن نمودہ کہ تاحال (سنہ ۱۱۶۰ھ) است"

فرخ سیر کے دور میں خان دوراں خاں بخشی کے بھائی خواجہ محمد جعفر ایک متصوف تھے ان کے حالات میں تحریر ہے کہ ان کے گھر میں ائمہ طاہرین کی منقبت میں قوالیاں گائی جاتی تھیں۔ بعض مریدین و معتقدین سلام کی بجائے زمین بوس آداب کرتے تھے اور ائمہ اثنا عشریہ کی منقبت گاتے تھے۔ ملتان کے ایک واعظ شیخ عبداللہ دارالسلطنت دہلی پہنچے تو انہوں نے اس رجحان پر گرفت کی اور کہا کہ [2]

[1] مآثر الامراء جلد اول از صمصام الدولہ شاہنواز خاں ص ۳۳۸ (کلکتہ سنہ ۱۸۹۰ء)

[2] تاریخ ہندوستان از شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ ص ۱۲۱

"سجدہ سوائے معبود برحق کے کسی کو سزاوار نہیں اور سرود کا سننا بھی شریعت کے طریقہ کے خلاف ہے فقط حمد منقبت اہل بیت کا سننا اور اصحاب کبار کے اسم اور ذکر کا نہ ہونا اسلام کے آئین اور طریقہ سے دور ہے۔"

اور شیخ عبداللہ ملتانی نے مسجد جامع میں جمعہ کے دن وعظ کہا کہ [۱]

"حضرت علی داخل اہل عبا نہیں ہیں اور علوی کو سید نہیں کہہ سکتے اور جن پنجتن کو پاک کہتے ہیں اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف ہے کیا اور اصحاب کرام پاک نہ تھے۔"

انجام یہ ہُوا کہ [۲]

"جمعہ کے روز کچھ مغل زادے اوباش وضع کربلا کی تسبیحیں گردن اور بازو میں ڈالے ہوئے وعظ کے وقت پہنچے اس پر گمان ہوا کہ وہ شیخ عبداللہ کے قتل کرنے کو آئے ہیں شیخ عبداللہ کے ہوا خواہوں نے فرخ سیر سے استغاثہ کیا جس کا فیصلہ یہ ہوا کہ عبداللہ واعظ ملتان جائے اور خواجہ جعفر شہر سے باہر نکلے۔"

دہلی میں عزاداری اور مرثیہ خوانی بڑے زوروں سے ہوتی تھی نواب درگاہ قلی خاں نے اس سلسلہ میں خاصی تفصیل دی ہے، جس طرح دہلی میں "قدم شریف"

---

[۱] تاریخ ہندوستان از شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صفحہ ۱۲۱

[۲] تاریخ ہندوستان جلد نہم صفحہ ۱۲۲

کے نام مجاوروں نے ایک فرضی زیارت گاہ قائم کر رکھی تھی اور مشہور کر دیا کہ یہ نقش قدم حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے [۱] اسی طرح امامیہ حضرات نے دہلی میں "شاہ مرداں" اور "پنجہ شریف" [۲] کی زیارات قائم کیں اور مشہور کر دیا کہ یہ حضرت علی کا نقش قدم ہے [۳] اس کی یہ کیفیت تھی کہ [۴]

"بروز شنبہ زائرین اور حاجت مندوں کا بڑا ہجوم ہوتا اور ۱۲ ار
محرم کو دبروز زیارت خامس اہل عبا خصوصیت سے اہل عزا برسم
پرسہ داری گریاں و نالاں حاضر ہو کر مراسم تعزیت بجالاتے تھے
اس روز کوئی متنفس ایسا نہ ہوتا تھا کہ زیارت سے محروم رہے"

مرثیہ خوانی کا بڑا زور ہوتا تھا درگاہ قلی خاں ایک مرثیہ خواں کے متعلق لکھتے ہیں [۵]

"نوائے مرثیہ بر عجیب سوز و گداز می گزارد معدن اندوہ است

---

[۱] قدم شریف کے فرضی ہونے کے متعلق ملاحظہ ہو "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" از محمد ایوب قادری صفحہ ۲۱۰، ۲۲۱ (ادارہ تحقیق و تصنیف، کراچی ۱۹۶۳ء)

[۲] "پنجہ شریف" کے متعلق مشہور ہے کہ وہاں حضرت علی رضؓ کی انگلیوں کے نشان ہیں اور دہلی میں یہ شیعوں کا مشہور قبرستان ہے ملاحظہ ہو نجوم السماء صفحہ ۳۶۰ و ملفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ $\frac{۲۰۰}{۲۰۱}$

[۳] ملاحظہ ہو مخدوم جہانیاں گشت صفحہ $\frac{۲۲}{}$ ۲۲۳ ۔ عوام کو بہکانے کے لئے اوچ، حیدرآباد (مغربی پاکستان) میں حضرت علیؓ کے نقش قدم اور ٹھٹھہ میں حضرت حسینؓ کے نقش قدم شیعہ مجاوروں نے مشہور کر دیئے ہیں

[۴] مرقع دہلی از نواب درگاہ قلی خاں صفحہ ۲۴ (مقدمہ ص ۳ (متن) حیدرآباد دکن سی طباعت ندارد)

[۵] مرقع دہلی صفحہ ۵۰ ۔ ۵۱، ۵۲

وکان الم مخزن مصیبت است وگنجینۂ غم میر اہتمام عاشور خانہ جاوید خاں است و بمراعات زائراں و تعزیہ داراں، می پردازد

دوسرے کی کیفیت ملاحظہ فرمایئے [1]

"میر عبداللہ از تعزیہ داراں جناب حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام است مرثیہ ہائے نادیم و حزیں را قسمے باہنگ ہائے حزیں می خواند کہ بے اختیار شور از نہاد سامعاں برمی خیزد از کثرت نوحہ و فریاد گوش فلک کر می گردد۔۔۔ در ماہ محرم مقدمش ہمہ جا واجب الاحترام، نوبت در تعزیہ خانہائے مردم عمدہ وارمی شود در تقدیم مراسم عزا می پردازد خلائق در اماکن موعودہ بریک دگر سبقت جستہ ہجوم می نمایند"

ایک اور تعزیہ دار اور مرثیہ خواں کا ذکر ملاحظہ ہو [2]

"میر درویش حسین از تعزیہ داران جناب خامس آل عبا است و در تقدیم مراسم شیون بے ہمتا، آہنگ ہائے برجستہ، انتخابش پیش ہمہ کس مسلم الثبوت است وایرادرا دخلے نیست"

دہلی میں تعزیہ داری دکن سے آئی دہلی کے رزیڈنٹ چارلس مٹکاف کے زمانے (۱۸۲۵ء تا ۱۸۲۷ء) میں تعزیہ داری کے موقعہ پر جھگڑا ہو گیا تو اس

---

[1] مرقع دہلی صفحہ ۵۰ – ۵۱ – ۵۲

[2] مرقع دہلی صفحہ ۵۳

نے مفتی اکرام الدین صدر الصدور دہلی (ف سنہ ۱۲۶۰ھ) سے اس کے آغاز و ابتدا کے متعلق استفسار کیا تو مفتی صاحب نے بتایا کہ[۱]

"ماہ محرم از قدیم است مگر تعزیہ داری نبود ہرگاہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ در دکن رفتند لشکریاں شاہی از عبداللہ پیرزادۂ دکن کہ در آنجا تعزیہ داری می کرد ایں رسم آموختند تاآں در شاہجہاں آباد نیز رسم تعزیہ داری جاری گردید"

یہ حالات تھے کہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی نے دو معرکۃ الآرا تصانیف "ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء" اور "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" تصنیف کیں۔ ازالۃ الخفا کے آغاز میں شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں[۲]

"دریں زماں بدعت تشیع آشکار شد و نفوس عوام بشبہات ایشاں متشرب گشت"

مندرجہ بالا اقتباسات سے ہم اس دور کی عام مذہبی زندگی کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امراء و وزراء کی سرپرستی میں شیعیت اور تفضیلیت کو کس قدر فروغ ہو رہا تھا کہ ہر شخص اسی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ مذہب اور ادب ہر شعبہ حیات میں اس کی چھاپ نظر آتی ہے۔ اردو شاعری کے اساطین شعراء، میر (ف سنہ ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء)، فغاں (ف سنہ ۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء)، سودا (ف سنہ ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء)، سوز (ف سنہ ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۸ء)، میر حسن (ف سنہ ۱۲۰۱ھ/۱۷۷۶ء)، انشاء (ف سنہ ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء)

---

[۱] سیر کریمی از نواب کریم اللہ خاں رام پوری صفحہ ۶۳ (قلمی، مخزونہ صولتیہ لائبریری رام پور)

[۲] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء از شاہ ولی اللہ دہلوی ج ۱ (مطبع صدیقی بریلی سنہ ۱۲۸۶ھ)

سلیمان شکوہ سلیمان (م ۱۸۳۷ء)، نظیر (م ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء)، آتش (م ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۷ء)، ناسخ (م ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء) سب اسی جماعت کے ارکان ہیں اور اسی فکر و نظر کے مبلغ و منادِ شعرا اور متصوفین کے ذریعہ یہ افکار و خیالات خوب اشاعت پذیر ہوئے اور تفضیلی مشائخ شاہ فخرالدین دہلوی (م ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء) وغیرہ نے تو اس لے کو آگے بڑھایا جس کی تفصیل حسب موقع پیش کی جائے گی اس سلسلہ میں ڈاکٹر ذاکر حسین رقمطراز ہیں؎[1]

> "ہندوستان میں جن حضرات نے تصوف کے پردہ میں تبلیغ دین فرمائی ان کو تمام تر سُنّی المذہب قرار دینا غلط ہے اس لئے کہ اثنا عشری اور اسماعیلی شیعہ بھی تصوف کے بھیس میں ایران سے ہندوستان آتے رہے ہیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے رہے ہیں نزاری اور مستعلی اسماعیلیوں کی تبلیغ تمام تر تصوف کے پردے میں ہوئی ہے۔ چنانچہ نزاریوں کے پیر صدرالدین اور حسن کبیرالدین ... اس سلسلے میں کافی شہرت رکھتا ہے اثنا عشری علماء مبلغین بھی تصوف کے پردے میں ہندوستان میں تبلیغ کرتے رہے جن کا ایک واضح اشارہ ابوالفضل نے بھی آئین اکبری میں کیا ہے۔"

یہ تو خاص مرکز دہلی کے حالات کا ایک ہلکا سا نامکمل جائزہ ہے دکن، سندھ اور بنگال کا بھی یہی حال تھا، دکن میں یہ پودا سب سے پہلے بارآور ہوا اور دکن کی شیعہ حکومتوں نے اس کو خوب پروان چڑھایا اس دور میں ایران سے امراء و علماء آئے اور دکن

---

[1] اردو مرثیہ اور شاہی سرپرستی از ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی بی اے پی ایچ ڈی رضا کار لاہور اربعین نمبر ۱۹۶۳ء

میں قیام پذیر ہو کر اپنے ادارے قائم کر کے امامیہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہو گئے، آخر میں آصف جاہ نظام الملک نے حیدر آباد دکن میں جو ریاست قائم کی اس میں شیعہ امیروں، رئیسوں، زمینداروں اور جاگیرداروں کے غلبہ و اقتدار کی وجہ سے یہ افکار و نظریات خوب پھیلے، سندھ میں "امیران سندھ" کا بھی یہی مسلک تھا، تاریخ و ادب اور شعر و شاعری سب میں ان ہی افکار و خیالات کی صدا گونجتی نظر آ رہی ہے سندھی ادبی بورڈ نے اس دور کا جو فارسی لٹریچر شائع کیا ہے اس میں اس کی بھرپور تفصیل ملتی ہے یہاں صرف ایک مثال ملا محمد معین سندھی (ف ۱۱۶۱ھ ۸-۱۷۴۷ء) "دراسات اللبیب" کی پیش کی جاتی ہے کہ ایک طرف تو وہ "غیر مقلدیت" کے مبلغ ہیں تو دوسری طرف "رفض و شیعیت" میں ڈوبے ہوئے ہیں [۱] اور یہ اس دور کے متصوفین، شعراء اور امراء کا عام رجحان تھا، "امیران سندھ" کے اقتدار کی آخری نشانی "ریاست خیرپور" تھی کہ جس نے اس معاملہ میں اپنی ذمہ داری کو پوری ستعدی سے پورا کیا، سندھ کے دوسرے امیروں اور متصوفین کا بھی یہی حال تھا، تاریخ اوچ کے مؤلف مولوی محمد حفیظ الرحمٰن بہاولپوری (ف ۱۳۷۹ھ ۱۹۵۹ء) "اوچ میں شیعیت کا آغاز" کی سرخی کے تحت رقم طراز ہیں [۲]

---

[۱] دراسات اللبیب کو مولانا محمد عبدالرشید نعمانی نے ایڈٹ کیا ہے اس کے مقدمہ میں انہوں نے ملا محمد معین کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں اور ان کے افکار و معتقدات کا جائزہ لیا ہے ملاحظہ ہو مقدمہ دراسات اللبیب صفحہ ۱-۱۰۷، (سندھی ادبی بورڈ - کراچی ۱۹۵۷ء)

[۲] تاریخ اوچ از مولوی محمد حفیظ الرحمٰن صفحہ ۱۱۶ (دہلی ۱۹۳۱ء)

"جھنڈوڈہ شاہ نے سندھ میں بالغ ہو کر ایک طوائف گوہر خاتون سے نکاح کر لیا اور میر سہراب خاں تالپر کے اثر تربیت وصحبت سے مذہب شیعہ اختیار کر لیا اور ۱۲۲۴ھ ۱۸۰۹ء میں اپنے مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ اوچ میں وارد ہوا اور مخدوم ناصر الدین سادس کے لقب سے سجادہ نشین خانقاہ حضرت جلال بخاری و مخدوم جہانیاں جہاں گشت، بن گیا . . . جھنڈوڈہ شاہ پہلا سجادہ نشین اوچ بخاری ہے جس نے سندھ سے مسلک شیعہ لا کر اوچ اور ریاست بہاولپور میں مروج کیا"

عہد فیروزی کے مشہور سہروردی بزرگ مخدوم جہانیاں جہاں گشت ۷۸۵ھ ۱۳۸۴ء کی خانقاہ کا یہ حال ہے اور اس کے سجادہ نشین اب اہل تشیع ہیں۔

بنگال اس معاملہ میں سب سے آگے تھا نظامت مرشد آباد کے بانی، مرشد قلی خاں" ایک شیعہ امیر تھے۔ اس کے بعد جب مسند مرشد آباد پر علی وردی خاں کی بالادستی قائم ہوئی تو مرشد آباد اور عظیم آباد اس تحریک کے دو خاص مرکز قائم ہو گئے علی وردی خاں نے ان رجحانات کی اشاعت میں خاص حصہ لیا ان کے زمانے میں فضلائے ایران جوق در جوق بنگال و بہار میں پہنچے اور حکومت کی سرپرستی میں اپنے عقائد و افکار کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہوئے۔ نواب علی وردی خاں مہابت جنگ خود بھی روزانہ بعد عصر ان ایرانی افاضل و اکابر کے ساتھ مجلس مذاکرہ منعقد کرتے اس مجلس میں سید الافاضل میر محمد علی فاضل، تقی قلی خاں، حکیم ہادی خاں میرزا محمد حسین صفوی وغیرہ شریک ہوتے کتاب کافی مصنفہ شیخ محمد بن یعقوب کلینی

سے دو احادیث روزانہ پڑھی جاتیں اور میر محمد علی فاضل ان کی شرح کرتے تھے [۱]
غلام حسین طباطبائی نے سیر المتاخرین کی ایک فصل میں ان افاضل ایران کا تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ جو علی وردی خاں کے زمانے میں وارد بنگال و بہار ہوئے ان حضرات کی تبلیغ کا انداز بھی خوب تھا۔ غلام حسین طباطبائی مؤلف سیر المتاخرین کی نانی کے حقیقی چچا شاہ حیدری کربلائی حائری تھے وہ اپنے معتقدات میں بہت پختہ تھے [۲]

"در تشیع نہایت دبے باک و در کمال استغناء بود

شاہ حیدری بھاگل پور (بہار) میں مقیم تھے وہاں کے ایک رئیس محمد غوث خاں بیمار ہوئے تو ان شاہ صاحب نے کس طرح اپنے معتقدات کی تبلیغ کی ملاحظہ ہو [۳]

"محمد غوث خاں اتفاقاً بیمار شد و بیماریش اشتداد یافتہ، از حیاتش امیدے نماند، درآں وقت شاہ حیدری کہ از مباینت مذہبش نفور اما از شجاعتش راضی و مسرور بود بسر وقتش رسیدہ بشرط قبول مذہب تشیع ضامن شفائے او شد وا و قبول نمود و شفا یافت و ارادت کامل با شاہ حیدری بہم رسانیدہ، مع اولاد مطیع و منقادش بود۔"

---

[۱] ملاحظہ ہو سیر المتاخرین از غلام حسین طباطبائی صفحہ ۶۰۹ - ۶۱۰
(نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۷ء)

[۲] سیر المتاخرین صفحہ ۶۱۵ - ۶۲۰

[۳] سیر المتاخرین صفحہ ۶۱۳

اس سلسلہ میں اودھ کی حکومت کا جائزہ لیتے ہیں اس کا مدت قیام بھی زیادہ رہا اور اس کے حکمرانوں نے اپنے عقائد و افکار کی اشاعت میں بہت سرگرمی سرگرمی دکھائی اس حکومت کے بانی برہان الملک سعادت خاں (وفات ۱۱۵۱ھ / ۱۷۲۹ء) ہیں جن کو پہلے مرشد قلی خاں، ناظم مرشد آباد کی سرپرستی حاصل رہی (۱۱۳۲ھ / ۱۷۲۰ء) میں وہ اودھ کے مستقل صوبیدار ہوئے برہان الملک کی پیشانی پر سب سے بڑا داغ یہ ہے کہ انہوں نے نادر شاہ کے ہاتھوں دہلی کو تباہ و برباد کرایا۔ حکیم نجم الغنی خاں تاریخ مظفری کے حوالے سے لکھتے ہیں [1]

"روز دیگر فردوس آرام گاہ خلعت میر بخشی گری بہ نظام الملک فتح جنگ مرحمت فرمودند سعادت خاں برہان الملک کہ امیدوار ایں خدمت بود از حد کبیدہ خاطر گشت و نادر شاہ را بر فتن دار الخلافہ شاہجہان آباد ترغیب نمود و او نمک حرامی ادا کرد و خزائن و دفائن آنجا گوش زد کرد"

مفتاح التواریخ میں بھی اس بات کی تصریح کی ہے

"از گفتن او (برہان الملک) نادر شاہ از میدان قتال کرنال بہ بہانۂ ضیافت در قلعہ شاہجہان آباد داخل شدہ والا ارادۂ نادر شاہ چنیں نہ بود چنانچہ تاریخ وفاتش بزیادت یک عدد چنیں یافتہ اند ع بے سعادت نمک حرام مرد"

---

[1] تاریخ اودھ جلد اول از حکیم نجم الغنی ص۸۱ (نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۹ء)

برہان الملک کے بعد ان کے جانشین ان کے داماد ابو المنصور خاں صفدر جنگ (ف ۱۱۶۷ھ ۱۷۵۴ء) ہوئے جنہوں نے دہلی کی مرکزی حکومت میں وزارت کا منصب حاصل کیا۔ صوبہ اودھ سے ملی ہوئی فرخ آباد اور روہیل کھنڈ کی ریاستیں تھیں جن کے حکمران بنگش اور روہیلہ پٹھان تھے مذہباً یہ لوگ سُنّی تھے۔ اختلاف مذہب کی وجہ سے ان دونوں ریاستوں کا وجود صفدر جنگ کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا اور انہوں نے ان دونوں مسلم ریاستوں کو ختم کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی، ان کی اس آرزو کی تکمیل ان کے بیٹے شجاع الدولہ اور پوتے آصف الدولہ کے ہاتھوں ہوئی۔ برہان الملک اور صفدر جنگ کے زمانے میں بہت سے ایرانی اودھ میں آئے اور حکومت کے نظم ونسق میں ہاتھ بٹایا نجم الغنی خاں لکھتے ہیں۔

"ان (صفدر جنگ) کی سرکار میں سواران مغلیہ بیس ہزار تھے لیکن اکثر ہندوستانی بھی صفدر جنگ کا ادھر میلان پاکر ان کا سا لباس پہن کر بات چیت کرتے تھے اور تنخواہ پاتے تھے"[1]

صاف ظاہر ہے کہ فوج کی ملازمت کے لئے ایرانی لباس وزبان ضروری تھے تو الناس علی دین ملوکہم کے مصداق معلوم نہیں کتنوں نے آبائی عقائد کو خیرباد کہا ہوگا، اختلاف مذہب کی وجہ سے ان حکمرانوں کے زمانے میں سنی علما و مشائخ کی بہت سی جائدادیں ضبط ہوگئیں۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں[2]

---

[1] تاریخ اودھ جلد اول از نجم الغنی خاں صفحہ ۲۹۷

[2] مآثر الکرام جلد اول از غلام علی آزاد صفحہ ۲۲۲ (آگرہ ۱۹۱۰ء)

"تا حدود سنہ ۱۱۳۰ھ ہنگامۂ علم و علماء دریں گل زمین و بلگرام

گرمی داشت تا آنکہ برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری

در آغاز جلوس محمد شاہ حاکم اودھ شد و اکثر بلاد عمدہ صوبہ الہ باد

... نیز دار الخیر جون پور و بنارس و غازی پور و کڑہ و مانک پور و

کوڑہ جہاں آباد و غیرہا ضمیمہ حکومت گردید و وظائف و سیور

غالات خانوادہائے قدیم و جدید بیک قلم ضبط شد و کار شرفا روبخبار

بہ پریشانی کشید، و اضطرار مردم آنجا از کسب علم باز داشتہ و رواج

تدریس و تحصیل بآں درجہ نماند، و مدارسے کہ از عہد قدیم معدن

علم و فضل بود بیک قلم خراب افتاد و انجمن ہائے ارباب کمال بیشتر

برہم خورد انا للہ و انا الیہ راجعون، و بعد ارتحال

برہان الملک نوبت حکومت بخواہر زادہ او ابوالمنصور خاں صفدر

جنگ رسید وظائف و اقطاعات بدستور زیر ضبط ماند و در

اواخر عہد محمد شاہ سنہ ۱۱۵۹ھ صوبہ داریٔ الہ آباد نیز صفدر جنگ

مقرر شد و تتمہ وظائف آں صوبہ کہ تا حال از آفت ضبط محفوظ

ماندہ بود بضبط درآمد و در عہد جہاندار شاہ، صفدر جنگ

بپایۂ وزارت اعلیٰ صعود نمود و نائب صوبہ کار برابر باب وظائف

تنگ تر گرفت و تا حین تحریر کتاب ایں دیار پامال حوادث

روزگار است"

جائداد اور املاک کی واگذاری کے لئے بہت سے قدیم خاندانوں نے اپنے

آبائی مذہب کو خیرباد کہہ دیا۔ اس سلسلہ میں مآثر الکرام کے مقدمہ میں بابائے اردو مولوی عبدالحق لکھتے ہیں [1]

"ایک بات تاریخی حیثیت سے اس تذکرہ میں خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ ان علماء و فضلائے بلگرام میں سے جن کا اس میں ذکر ہے ایک بھی اہل تشیع میں سے نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ نے وہاں بعد کے زمانے میں رواج پایا"

حقیقت یہ ہے کہ سادات بلگرام نے معاشی اور معاشرتی مجبوریوں سے پہلے تفضیلیت اور پھر شیعیت اختیار کی اور آخر زمانے میں تو یہ رنگ بہت پختہ ہو گیا۔ یہاں کی تعزیہ داری نے دور و نزدیک شہرت پائی۔ بلگرام کے صرف ایک محلہ میدان پورہ کی تعزیہ داری کا حال ملاحظہ ہو [2]

"۱۰ محرم کو گیارہ بجے تک کل محلہ میدان پورہ کے تعزیئے جن کی فہرست درج ذیل مع بنانے والوں کے ہے جو تعداد میں چوبیس پچیس کے ہوتے اور ہمراہ سفید تعزیہ کے گشت میں شامل رہ کر کربلا جاتے مشہور تعزیوں میں بیٹوں کا تعزیہ، کنجڑوں کا تعزیہ کرم میاں پیرزادہ کا تعزیہ، رسول بخش کا تعزیہ، حیدری نیچہ بند کے تعزیئے تھے اس کے بعد بڑے قصابوں گاڈ قصابوں، خیاطوں، معماراں، جوگیاں، نوربافاں، گاڈراں کے تعزیئے امام باڑے میں آکر شریک گشت ہوتے تھے اہل ہنود کے یہ لوگ تعزیہ

---

[1] مآثر الکرام جلد اول (مقدمہ) صفحہ ۱۴

[2] تاریخ خطہ پاک بلگرام از قاضی شریف الحسن بلگرامی صفحہ ۲۵۸ دہلی ۲ دسمبر ۱۹۶۰ء

بناتے تھے اور شریک عزاداری ہوتے تھے، الیشری شاہ بقال ہیرالال بھڑبھوجی، سوہن تنبال، گوکل تنبولی، لچھمن بقال، سوہن نجار... قریب ۵ بجے دن کے جبکہ تعزیہ متصل مکان مولوی، محمد عالم صاحب پہنچا تو شیخ مظہر حسین مذکور مرثیہ۔

ع قتل جب رن میں ہوا سبط رسول الثقلین

خاص اپنے چیدہ بازؤں کے ساتھ بہت شان سے پڑھتے اس مرثیہ میں ہندی کے الفاظ کی ٹیپیں ہیں جو بہت دردآمیز اور بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ اس مرثیے کے سننے کے واسطے تمام بلگرام کے معززین اہل ہنود اور حکاماں تحصیل و تھانہ آتے تھے مجمع نہایت کثیر اور پررونق ہوتا تھا، ہجوم مرداں کی وجہ سے مرثیہ خوان بمشکل ایک دو ہاتھ سے زیادہ نہیں بڑھ سکتے تھے اس مرثیہ کا جواب بھی اہل ہنود ہی پڑھا کرتے تھے بعدہٗ واپسی تعزیہ از کربلا تمام بزرگوار و اہالیان محلہ امام باڑہ میں موجود ہوکر غم امام علیہ السلام میں شریک ہوتے اور مجلس شربت کی ہوتی اور یہی مجلس سوم اور چہلم کو کربلا میں ہوا کرتی تھی۔

اودھ اور روہیل کھنڈ میں تعزیہ داری کا یہ رنگ بھی نوابان اور شاہان اودھ کی ترغیب و تحریص اور ان کی سرپرستی کی وجہ سے پیدا ہوا، بلگرام کی تعزیہ داری کی جو تفصیل بیان ہوئی ہے نام و مقام کو چھوڑ کر کم و بیش روہیل کھنڈ کے شہر و قصبات میں بھی تعزیہ داری کا یہی انداز تھا۔ تقسیم ہندوستان سے قبل، آنولہ، بدایوں، اوجھیانی

بریلی، پیلی بھیت، رام پور اور امروہہ وغیرہ میں اسی زور شور سے تعزیہ داری ہوتی تھی، آج کراچی میں تقسیم کے بعد سے تعزیہ داری کا رنگ اس سے بھی چوکھا ہو گیا ہے بات ذرا آگے بڑھ گئی ذکر تھا صفدر جنگ کے جاگیرداروں کے ضبط کرانے کا آئینہ اودھ کے مؤلف ابوالحسن مانکپوری لکھتے ہیں۔

"سادات موضع بتی، پرگنہ سہوہ و فتح پور خاص میں مقیم ہوئے مدت تک اولاد ان کی بہ مذہب آبائی (اہل سنت) قائم رہی لیکن بعہد ریاست ابوالمنصور خاں صفدر جنگ مذہب امامیہ اختیار کرتے گئے" ۔ ؎۱

"ان (سید غلام حسین ثانی ساکن بہرائچ) کے دو پسر غلام محمد و غلام رسول ثانی (ہوئے) یہ معاصر تھے نواب شجاع الدولہ بہادر کے بعد شکست بکسر کے جب صلح نامہ گورنمنٹ انگلشیہ سے ہوا نواب ممدوح الذکر نے حکم ضبطی کل معافیات صوبہ اودھ کا صادر کیا یہ دونوں بھائی بہ طمع بحالی معافی بہ تبدیلی مذہب آبائی (اہل سنت) پابند مذہب امامیہ ہو گئے"۔ ؎۲

صفدر جنگ کے بعد شجاع الدولہ (ف ۱۱۸۸ھ / ۱۱۷۵ء) سریر آرائے حکومت ہوئے وہ اپنی مذہبی پالیسی میں اپنے والد بزرگوار کے سختی سے پابند رہے بلکہ ان کے زمانے

؎۱ آئینہ اودھ از ابوالحسن مانک پوری صفحہ ۱۱۰ (مطبع نظامی کانپور ۱۸۸۰ء)

؎۲ آئینہ اودھ صفحہ ۱۵۵

میں یہ پودا اور بھی برگ و بار لایا۔ انہوں نے فرخ آباد کے بنگش اور روہیل کھنڈ کے
روہیلہ حکمرانوں کا پورے طور سے استقبال کیا۔ احمد خاں بنگش کے صاحبزادے نواب
نواب دلیر ہمت خاں مظفر جنگ (ف ۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶ء) کے زمانے میں ۱۷۷۲-۳ء میں ریاست
فرخ آباد شجاع الدولہ کے ماتحت ہوگئی اور ۱۷۷۳ء نواب مظفر جنگ نے باقاعدہ
شیعہ مسلک اختیار کرلیا۔ لوح تاریخی (تصنیف ۱۲۵۵ھ) کے مولف منور علی خاں
لکھتے ہیں [1]

"کول (علی گڑھ) کی راہ میں ایک قصبہ جلالی ہے کہ سید اس میں
رہتے ہیں وہاں محرم کا چاند دکھائی دیا تب نواب شجاع الدولہ نے
وہیں قیام کیا اور تعزیہ داری وہیں کی۔ امام باڑہ کپڑے کا کھڑا کیا
گیا اور چاندی کے تعزیے رکھے گئے جو امیروں کے ہمراہ رہتے
ہیں۔ چنانچہ نواب مظفر جنگ اس مقام پر شیعہ ہوئے"

شجاع الدولہ نے جلالی میں ایک صاحب حکیم خیرات علی کے امام باڑے کے لئے
چار گاؤں مال پور، کمال پور، نورپور اور نزولی معاف کئے [2]

۱۷۷۴ء میں شجاع الدولہ نے انگریزوں کی مدد سے روہیلوں پر چڑھائی

---

[1] لوح تاریخی از منور علی خاں ورق ۱۲۰ ب (قلمی، سال کتابت ۱۲۷۳ھ)
(مخزونہ مسلم یونیورسٹی لائبریری، علی گڑھ)

[2] حیات حافظ رحمت خاں از سید الطاف علی بریلوی صفحہ ۲۵۹
(طبع ثانی، کراچی ۱۹۶۶ء)

کردی، روہیلہ سردار حافظ الملک حافظ رحمت اللہ خاں میراں پور کٹرہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔ تمام ریاست روہیل کھنڈ پر شجاع الدولہ کا قبضہ ہو گیا اور اس کی ایک دیرینہ آرزو پوری ہو گئی۔ اہل روہیل کھنڈ کو سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ شہر و قصبات بری طرح تاراج کئے گئے، امراء و رؤساء اور علماء و مشائخ کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ شعائر اسلامی کی اعلانیہ بے حرمتی کی گئی۔ شیو پرشاد کی کتاب فرح بخش کے حوالہ سے نجم الغنی خاں لکھتے ہیں [1]

"مسجدوں، مدرسوں، خانقاہوں اور مقبروں میں تلنگے گوبر سے چوکا دیتے اور کھانا پکاتے ہیں، آنولہ نواب علی محمد خاں کے عہد میں دارالاسلام تھا اور نواب ممدوح نے بڑی کوشش کے ساتھ آبادی میں ترقی دی تھی قلعہ اور مسجدیں تعمیر کرائی تھیں اللہ کی دینداری پر بلاد اسلام کو رشک تھا شجاع الدولہ کی فتح کے بعد اس شہر کی یہ نوبت پہنچی کہ آخوند محمد رحیم کی مسجد میں جو ایک متدین اور مجتہد شخص تھے رنڈیاں اور فاحشہ عورتیں رہنے لگیں اور اعلانیہ ان میں بیٹھ کر کسب کراتیں بدفعلی میں مشغول رہتیں ان سے کوئی یہ تعرض نہیں کرتا کہ تم مسلمانوں کے ایک مقدس مقام میں ایسا کیوں کرتی ہو۔"

شجاع الدولہ نے فتح روہیل کھنڈ کے سلسلہ میں مشہور حق گو صوفی شیخ، پیرزادہ مدن کی جائداد ضبط کر لی اور ان کو قید کر دیا، قید ہی میں ان کا انتقال ہوا یہ وہی شاہ

---

[1] تاریخ اودھ جلد دوم از نجم الغنی خاں صفحہ ۲۷۱ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۹ء

مدن ہیں جن کے متعلق مشہور ہے ؎

بڑھائی شیخ نے داڑھی اگرچہ سن کی سی
مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

ضبطی جائداد کے سلسلہ میں ہم عصر مؤرخ منشی فیض بخش بن غلام سرور کاکوروی مرتب "رقعات" رقعات لچھمی نرائن" لکھتے ہیں [۱]

"بعد انقضائے مدت دہ سال کہ صحبت شاہ مدن بجہات شتی کہ اظہار آں محض طول مقال است از وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ بہادر برہم خوردہ دیہات جاگیر ایشاں کہ قریب بہ محاصل یک لکھ روپیہ بود بہ ضبط سرکار دولت مدار در آمد شاہ موصوف باایں ہمہ طنطنہ مشیخت و سیادت محبوس زنداں شدند"

اس سلسلہ میں مزید تفصیل نامہ مظفری میں ملاحظہ ہو [۲]

"شجاع الدولہ کے سالے نواب سالار جنگ جو بہو بیگم کے بھائی تھے وہ نہایت متعصب، حاسد شخص تھے شاہ (مدن) صاحب کے احترام سے انہیں دلی عناد تھا اکثر وہ شجاع الدولہ کے دل میں شاہ صاحب کی برائیاں جماتے تھے شاہ صاحب حافظ الملک کے صرف طرفدار تھے۔

[۱] رقعات لچھمی نرائن مرتبہ منشی فیض بخش بن غلام سرور کاکوروی صفحہ ۵ (مطبع جعفری، کانپور ۱۲۷۸ھ)

[۲] نامہ مظفری حصہ دوم از منشی محمد مظفر حسین خاں صفحہ ۲۴۰، ۲۴۱ (مطبع مجتبائی لکھنؤ ۱۹۱۷ء)

کیونکہ حافظ الملک شاہ صاحب کے ارادت مند تھے بلکہ بعض
راوی حافظ صاحب کو شاہ صاحب کا مرید بتلاتے ہیں اس وجہ سے
شجاع الدولہ نے شاہ صاحب پر حافظ الملک سے سازش رکھنے کا الزام
لگایا اور ان کی جاگیرات ضبط کرلیں اور اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ یہاں
تک ظلم کیا کہ شاہ آباد کے قیام میں اثاث البیت اور مستورات کے
زیورات تک شاہ صاحب سے منگا لیئے اس کے چھ ماہ کے بعد
شاہ مدن صاحب نے انتقال کیا شاہ صاحب کے صبر اور حافظ الملک
کے خون ناحق نے شجاع الدولہ کو ایک سال بھی خوشی نصیب نہ ہونے
دی حافظ الملک کے قتل کرنے کے نو مہینے بعد اور شاہ مدن صاحب
کے انتقال کے تین ماہ کے بعد عین شباب میں ۴۷ برس کی عمر میں
۲۴ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ کو شجاع الدولہ نے انتقال کیا"

شجاع الدولہ کے عہد کے دو واقعات کی طرف اشارہ کرنا اور ضروری ہے کہ اس کے عہد میں اس زمانے کے دو نامور فاضل ملا عبدالعلی بحرالعلوم (وفات ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء) اور ملا محمد حسن فرنگی محلی (وفات ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء) اختلاف عقائد کی وجہ سے لکھنؤ سے خارج البلاد کیئے گئے، اور ان مقتولوں کو پھر کبھی اپنا وطن دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ ملا عبدالعلی بحرالعلوم نے ساری عمر شاہجہان پور، رام پور، ہگلی اور مدراس میں غریب الوطنی میں گزاری اور مدراس ہی میں پیوند خاک ہوئے ملا محمد حسن نے رام پور میں سکونت اختیار کرلی اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ لکھنؤ کی سرزمین ان افاضل پر فخر کرتی ہے مگر یہ حقیقت بھی ہے کہ اہل لکھنؤ اور حاکم لکھنؤ (شجاع الدولہ) نے ان کے ساتھ کیسا ناگوار نہایت سلوک

کیا ۶ آسمان را حق بود گر خوں ببارد بر زمین

ملا عبد العلی بحر العلوم کے سلسلہ میں مولانا فضل امام خیر آبادی لکھتے ہیں لہ

"بعد ازاں بہ سببے از اسباب از لکھنؤ بر آمدہ چندے در رام پور ماند و آنجا بہ افادہ و افاضہ پرداختند"

مؤلف اغصان اربعہ اس سبب کی کسی قدر نشان دہی کرتے ہیں ۵۲

"در اوائل حال او (ملا عبد العلی بحر العلوم) را سانحہ عظیمے در وطن پیش آمد، بہ سبب آں صورت قیام در آنجا مناسب ندیدہ، ہر چند اعانت داماد از خویشاں و عزیزاں درخواست آنہا ہم شریک او گشتند لاکن گفتند کہ ما باں مدام در خانہ نمی باشیم ... ملا مذکور فسانہ ارباب شہر زیادہ قیام دریں شہر نتوانست و راہی شاہجہان پور گشت حاکم آنجا حافظ رحمت خاں مرحوم آمدن فرزند مولانا نظام الدین در ملک خود غنیمت دانست بکمال اعزاز و اکرام اور گرفتہ وجہ معقول برائے مصارف طلبہ علم مقرر ساخت (نواب شاہجہاں پور عبد اللہ خاں مرحوم آمدہ اندرون قلعہ در حویلی خود اور را جا داد تا حیات حافظ رحمت خاں مرحوم ہماں جا سکونت داشت"

لہ تراجم الفضلاء از فضل امام خیر آبادی صفحہ ۱۲ (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی ۱۹۵۶ء)

۵۲ اغصان الاربعہ للشجرۃ الطیبہ از ولی اللہ لکھنوی صفحہ ۱۲۲ - ۱۲۳ مطبع یوزنامہ فرنگی محل لکھنؤ ۱۲۹۸ھ ۱۸۸۱ء)

واقعہ یہ تھا کہ بلگرام کا ایک رئیس نورالحسن خاں ملا بحرالعلوم کے مدرسہ کے پاس ان کے ایک عزیز مولوی محب اللہ کے مکان میں علاج کی غرض سے مقیم تھا محرم کا مہینہ آگیا اس رئیس نے وہاں تعزیہ منگوایا اس بات پر جھگڑا ہو گیا، بحرالعلوم کی جان کے لالے پڑ گئے ان کو لکھنؤ چھوڑنا پڑا اور پھر کبھی وطن نصیب نہ ہوا۔

ملا حسن بھی اسی نوع کے قضیے میں لکھنؤ سے نکالے گئے، مؤلف اغصان الاربعہ لکھتے ہیں [1]

"بشرارت بعضے از حساد مفسدۂ عظیم در وطن رو دادہ کہ در آں اہلاک خود را مشاہدہ ساخت و طعام وطن ممکن ندانستہ راہی روہیل کھنڈ شد و بقیۂ عمر در حمایت حکام آں ملک بسر بردہ در رام پور وفات یافت۔"

شجاع الدولہ کے بعد نواب آصف الدولہ (ف ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء) مسند نشین حکومت ہوئے چونکہ فتح روہیل کھنڈ کے بعد جلد ہی شجاع الدولہ کا انتقال ہو گیا تھا لہٰذا نظم و نسق کے قیام کی تمام پالیسی آصف الدولہ کو وضع کرنی پڑی، آصف الدولہ نے بڑی حد تک اپنے باپ اور دادا کی روایات کو برقرار رکھا، قدیم جاگیرداروں کی جاگیریں ضبط ہوئیں۔ روہیلوں کے مرکزی مقامات کے محلات اور سرائیں ضبط ہو کر ان شیعہ عمال اور افسران کو ملیں جو آصف الدولہ کی طرف سے ان مقامات پر مقرر ہوئے آنولہ میں نواب علی محمد خاں کے قلعہ میں شیعہ سادات آباد کئے گئے یہ لوگ ۱۹۴۷ء تک قلعہ کے ایک حصہ چوبرجی میں قابض و دخیل رہے، تقسیم

---

[1] اغصان الاربعہ صفحہ ۸

ہند کے بعد یہ تتر بتر ہو گئے، سید الطاف علی بریلوی لکھتے ہیں [۱]

"شاہان اودھ کے عہد حکومت میں اہل تشیع حضرات کی مہذب و ذی علم آبادی کا کافی اضافہ ہوا روہیل کھنڈ کے ہر ایک ضلع میں ہمارے ان بھائیوں کے مشہور خاندان آکر سکونت پذیر ہو گئے اور حکومت جانب سے ان کو معقول زمینداریاں اور جاگیریں عطا کی گئیں۔ بریلی میں حسینی باغ گزری کی مسجد اور آصف الدولہ کا کالا امام باڑہ وغیرہ اسی عہد کی مشہور یادگاریں ہیں۔"

محرم کی عزاداری کے سلسلہ میں بریلوی صاحب رقمطراز ہیں [۲]

"سرزمین روہیل کھنڈ میں موجودہ زمانے کی سی دھوم دھام کی محرم داری جس میں باجے تاشے، نوبت، علم، تخت، تعزیوں وغیرہ کے جلوس نکالے جاتے ہیں اس کا روہیلوں کے دور حکومت یا اس سے قبل کے زمانے میں جہاں تک تحقیق کی گئی، وجود نہیں ملتا، اس قسم کی تعزیہ داری کا سلسلہ بعد شہادت حافظ الملک والیان اودھ کے بست و ہفت سالہ عہد سلطنت میں شروع ہوا، کالا امام باڑہ تعمیر کردہ نواب آصف الدولہ اور بریلی میں شیعہ حضرات کی دوسری عمارتیں بھی اسی زمانے کی یادگار ہیں"

بسولی میں نواب دوندے خاں کا تعمیر کردہ شیش محل تھا اس کی ایک پرانی محل سرا میں میر مشرف علی کو مقیم کیا جو شجاع الدولہ کے زمانے میں ایران سے وارد لکھنؤ

---

[۱] حیات حافظ رحمت اللہ خاں طبع دوم، صفحہ ۲۱۸

[۲] حیات حافظ رحمت خاں طبع دوم، صفحہ ۳۳۵ - ۳۳۶

ہوئے تھے، ان کی اولاد تقسیم ملک تک اس محل سرا میں رہتی تھی اور یہ حصہ حویلی سادات ... کہلاتا تھا۔ اس خاندان کے آخری نمائندے سید محمود علی تھے۔ قیام پاکستان کے بعد بسولی میں وہ فوت ہوئے۔ اسی طرح اوجھیانی کا قلعہ جو نواب عبداللہ خاں ولد نواب علی محمد خاں کا تعمیر کردہ تھا وہ بھی شیعہ سادات کو ملا۔ اس خاندان کے آخری آدمی سید تشید علی بن سید حمزہ علی تھے، آصف الدولہ کے زمانے میں اوجھیانی میں محلہ ساہر کارہ ایک وسیع اور عالی شان امام باڑہ بھی بنا تھا نواب آصف الدولہ نے خادم حسین خاں متولی امام باڑہ کو چھ گاؤں برائے امام باڑہ وقف کئے تھے، اس امام باڑہ کی تمام عمارت ختم ہو گئی صرف صدر دروازہ باقی ہے اس خاندان کے آخری آدمی مرزا صفدر حسین تھے جو کراچی میں اندھے ہو کر مرے انہوں نے امام باڑہ کی تمام موقوفہ جائداد موضع نناکھیڑہ اور پیر پور ضلع بدایوں بیچ کر خورد برد کر دی تھی۔

غرض کہ آصف الدولہ کے دور میں روہیل کھنڈ میں اثنا عشری مسلک کی خوب نشر و اشاعت ہوئی۔ حکومت کی طرف سے تحریص و ترغیب اور تنبیہ و تخویف کے حربے بھی استعمال کئے گئے، گزیٹیر مراد آباد کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو[۱]

"اکبر کے عہد سے نوابان اودھ کے تسلط و حکومت کے ابتدائی زمانہ تک، امروہہ کے تمام سید موخر الذکر مذہب (اہل سنت و جماعت) کے پابند تھے نوابان اودھ چونکہ بذات خود غالی شیعہ تھے اس لئے امروہہ کے بہت سے سیدوں نے اپنا قدیم مذہب[۲] (شیعیت)

---

[۱] گزیٹیر مراد آباد صفحہ ۱۸۴ (مطبوعہ الہ آباد ۱۹۱۱ء) [۲] گزیٹیر کا یہ بیان درست نہیں کہ ان کا قدیم مذہب شیعہ تھا بلکہ ان کا قدیم مذہب اہل سنت و جماعت تھا۔

پھر اختیار کر لیا اور اس طرح تبدیل مذہب کرنے سے انہیں بہت سے دنیوی فوائد بھی، صحرائی و سکنائی جائداد و املاک کے حصول کی صورت میں حاصل ہو گئے۔

اس سلسلہ میں آل حسن بخشی مؤلف نخبۃ التواریخ کا بیان ملاحظہ ہو۔[۱]

"سید علی احمار در ابتداء مذہب قدیم اہل سنت و جماعت داشت چوں او را و ہم دیگر سادات جاگیرداران امروہہ را پئے استخلاص محال جاگیر ضبط کردۂ نواب آصف الدولہ کہ دراں وقت متصرف ایں ممالک بود اتفاقاً بہ لکھنؤ افتاد و چندگاہ آنجا اقامت اختیار کردند و صحبت ہائے شیعان آنجا کہ معادن کار آناں بودند، بر داشتند "الصحبۃ مؤثرۃ" مذہب تشیع اختیار کردند پیش ازو دریں سلسلہ کسے متہم بہ شیعیت نشد"

مولوی محب علی خاں عباسی مؤلف آئینہ عباسی اس مسلک کی اشاعت کا چشم دید حال اس طرح بیان کرتے ہیں[۲]

"اس شہر (امروہہ) میں بعد سالار غازی کہ آٹھ سو برس ہوئے ہوں گے اہل اسلام سادات و شرفاء بود و باش رکھتے ہیں سب کا ایک مذہب اہل سنت و جماعت تھا جیسا کہ آثار و اطوار و تصانیف و اخبار سے بخوبی

---

[۱] بحوالہ تاریخ امروہہ جلد اول از محمود احمد عباسی صفحہ ۲۶۹ دہلی ۱۹۳۰ء

[۲] بحوالہ تاریخ امروہہ جلد اول صفحہ ۲۷۸

ثابت ہے اب عرصہ ۷۵ برس سے بوجہ آنے عملداری نواب وزیر کے یہی
اس مذہب کا موجد ہندوستان میں ہے بفحوائے الناس علی دین ملوکھم
بعض بعض نے بہ طمع نفسانی اپنے بزرگوں کا مذہب چھوڑ کر تشیع اختیار کیا
اب ہمارے سامنے اس مذہب کی ترقی ہوئی"

جنہوں نے نوابانِ اودھ کے مذہب کو قبول نہیں کیا ان کا کیا حشر ہوا اس کی داستان بھی سُنیے مؤلف تذکرہ کاملان رام پور اعلی برادران (مولانا محمد علی و شوکت علی مرحومین) کی ننہال کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں[1]

"اودھ کے تسلطِ روہیل کھنڈ کے وقت امروہہ کے امراء نے تبدیل
مذہب اور حاضری دربار کی بدولت اپنی جاگیروں کو قائم رکھا اس خاندان
میں سے کوئی سلطنت اودھ کے دربار میں شریک نہیں ہوا اس لئے کثیر حصہ
جائداد کا ضبط ہو گیا۔

بدایوں میں حکومت اودھ کی طرف سے سنہ ۱۷۷۴ء میں خواجہ آفتاب خاں پہلا عامل مقرر ہُوا اور اپنے پیش رو فتح خاں خانساماں (ف سنہ ۱۱۸۶ھ ۱۷۷۲ء) کی حویلی میں مقیم ہوا۔ کیونکہ فتح خاں کا خاندان قید ہو کر لکھنؤ اور الٰہ آباد پہنچ چکا تھا اسی زمانے سے بدایوں میں تعزیہ داری شروع ہوئی شیعہ حکام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تعزیہ داری کے جلوس حکام کی قیام گاہ محلہ بھاجی ٹولہ (حسینی گلی) سے نکالے گئے خواجہ آفتاب کے بعد مسلمان عاملوں میں خواجہ عین الدین، مہدی علی خاں، الماس علی خاں اور

---

[1] تذکرہ کاملان رام پور از حافظ احمد علی خاں صفحہ ۱۳۰

حسین علی خاں آئے [1] ان شیعہ حکام کے قیام کی غرض سے اس گلی سے خاص طور سے تعزیہ داری کے جلوس گزرتے شروع ہوئے اور ان کے قیام کی وجہ ہی سے اس گلی کا نام "حسینی گلی" [2] پڑگیا خواجہ عین الدین اس مسلک میں بڑے غالی تھے [3]

"وہ ائمہ اطہار سے بے حد محبت رکھتا تھا - یہ روایت مشہور ہے کہ عشرہ محرم میں معمول تھا کہ عاشورے کو تمام مال و متاع و نقد و جنس اور عمارات اور زن و مرد بلکہ اپنی ذات سمیت جناب سید الشہداء کے نام خیرات کر دیتا تھا اور پھر قرض ادھار سے زر نقد پہنچا کر مول لیتا تھا جس جگہ تھوڑے دنوں کے لئے جاتا تو امام باڑہ اور مسجد کی پہلے نیو ڈالتا۔"

---

[1] عمدۃ التواریخ (تاریخ بدایوں)، از مولوی عبدالحیٔ صفا بدایونی صفحہ ۳۸ - ۳۹ (مطبع مطلع العلوم مراد آباد ۱۸۶۹ء)

[2] بدایوں کے اس تاریخی کوچہ "حسینی گلی" کی طرف ذرا اشارہ کرنا ضروری ہے ۱۸۸۶ء / ۱۸۷۷ء میں مسٹر لیمب کلکٹر ضلع بدایوں کے زمانے میں عشرۂ محرم اور دسہرہ ایک ساتھ پڑے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان بعض امور پر جھگڑا ہوا، ہندو مانع تھے کہ اس گلی سے تعزیئے نہ نکلیں مسلمان مصر تھے کہ حسب معمول نکلنے جائیں واقعہ یہ ہے کہ یہ محلہ اور راستہ قطعاً ہندوؤں کی بستی ہے صرف ایک دو مکان مسلمانوں کے، ایک مسجد اور ایک مزار اس گلی میں ضرور واقع ہیں، اس جھگڑے کے موقعہ پر مسٹر تیل کمشنر روہیل کھنڈ کے معاینہ کے وقت مسلمانوں نے اس مزار کا فرضی نام "سید حسین شہید" رکھ کر اسی نام سے "حسینی گلی" منسوب کیا تنقیح طلب امر یہ ہے کہ یہ محلہ پورا ہندوؤں کا ہے اس راستہ سے مسلمانوں کے علم، تعزیئے اور جلوس کیوں نکلے جبکہ وہ محلہ میں آباد بھی نہیں شہر کے اور راستے ہو سکتے تھے [3] واقعہ یہ ہے کہ اودھ کے شیعہ حکام کی وجہ سے تعزیہ داری کے جلوس اسی گلی سے نکلے اور اسی وجہ سے اس گلی کا نام "حسینی گلی" پڑا [3] تاریخ اودھ جلد سوم ص ۱۵۲

بدایوں میں اس مسلک کی ترویج و اشاعت کے متعلق مولوی محمد سلیمان بدایونی (وفات ۱۹۶۳ء) اپنے ایک مقالہ "بدایوں کے اہل تشیع" میں لکھتے ہیں [۱]

"صورت سنگھ نے بدایوں کا چارج لے کر اندازہ کیا کہ عوام کی تالیف قلوب عطیات سے کی جاوے اور علماء میں سے بھی انتخاب کر کے مخالفت کی آواز کو بالکل نہ اُٹھنے دیا جائے چنانچہ اس کی نظر انتخاب مفتی محمد علی صدیقی حمیدی اور مولوی محمد علی عثمانی پر پڑی، مولوی صاحب (محمد علی عثمانی) نے موضع شادی پور تحصیل داتا گنج میں معافی کی اراضی لے کر سکوت اختیار کر لیا۔

مفتی صاحب نے علاوہ ہدایا اور عطایا کے حکومت کا مذہب بھی اختیار کر لیا اور ان کی اولاد اس وقت تک شیعیت پر قائم ہیں مفتی جی کی ترویج شیعیت سے ان کے اکثر عم زادوں نے شیعیت اختیار کی مفتی جی کے بیٹے مفتی مظفر علی نے "عروج الشیعہ فی البدایوں" لکھی ایک امام باڑہ تعمیر کرایا جو بڑا امام باڑہ کہلاتا ہے یہ میرے مکان کی شمالی حد تھا اس امام باڑے کے نام موضع خیر پور [۲] تحصیل بدایوں میں معافی عطیہ

---

[۱] بدایوں کے اہل تشیع از مولوی محمد سلیمان بدایونی صفحہ ۶، رسالہ نکہار سہ ماہی مجلہ کراچی ۱۹۵۹ء مملوکہ محمد ایوب قادری بدایونی مرحوم

[۲] اس امام باڑے کیلئے خیر پور ضلع بدایوں میں ۲۲۲ ایکڑ اراضی وقف تھی، ملاحظہ ہو بدایوں کی معافیات کا دخل نامہ مورخہ ۹ اگست ۱۸۵۳ء جاری شدہ صدر بورڈ آف ریونیو شمالی مغربی صوبہ آگرہ (محمد ایوب قادری مرحوم)

نواب آصف الدولہ ہے ،،

اسی زمانے میں بدایوں کے مشہور شاعر ظہور اللہ خاں نوا (ف ۱۲۴۶ھ / ۱۸۲۹ء) ولد مولوی علی دلیل اللہ صدیقی حمیدی نے بھی اثنا عشری مسلک اختیار کرلیا تھا۔ نوا مدتوں لکھنؤ، حیدرآباد اور ایران کے درباروں میں رہے۔ ان ہی درباروں کے اثر سے یہ مسلک اختیار کیا ہوگا۔ بدایوں میں ایک اور امام باڑہ (۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء) میں تعمیر ہوا ضلع بدایوں کے قصبہ اسلام نگر میں بھی شیعہ سادات عہد آصفی کی یادگار ہیں اسلام نگر میں ایک امام باڑہ بھی تھا۔ شیعہ سنی تعلقات کے سلسلہ میں مولوی محمد سلیمان بدایونی لکھتے ہیں [1]

"بدایوں میں شیعہ سنیوں میں اس وقت تک باہم دگر شادی بیاہ ہوتے ہیں عموماً شیعہ لڑکیوں کی اولاد شیعہ ہوتی ہے اور اکثر سنی لڑکیاں اپنے خاوندوں کے مذہب پر شیعہ ہو جاتی ہیں۔ بدایوں شہر (حدود میونسپلٹی) کا کوئی سید، شیعہ نہیں ہے جتنے بھی ہیں شیخ صدیقی ہیں نہ حیدری نہ علوی نہ جعفری"

نواب آصف الدولہ نے ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴ء میں رام پور پر چڑھائی کی اور ریاست کا ایک حصہ ضبط کرلیا اس واقعہ کی تہہ میں بھی مذہبی جذبہ کار فرما تھا نواب فیض اللہ خاں کے انتقال کے بعد ان کے فرزند نواب محمد علی خاں مسند نشین ریاست ہوئے چونکہ وہ آصف الدولہ کے دربار لکھنؤ میں رہے تھے اس لئے نواب کی ترغیب سے انہوں نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا انہوں نے سربرآرائے حکومت ہونے کے بعد لکھنؤ کے آئین و قانون روہیلہ پٹھانوں پر جاری کئے انہوں نے غلام محمد خاں کو شریک بنا کر محمد علی خاں کو ختم کر دیا۔ بس پھر کیا تھا

---

[1] بدایوں کے اہل تشیع صفحہ ۸

انگریزوں کو ساتھ لے کر آصف الدولہ نے فوج کشی کی اور مقتول کے صاحبزادے احمد علی خاں کو مسند نشین کیا۔ اسی زمانہ سے رام پور میں شیعیت کا زور ہوا اور نواب کلب علی خاں کو چھوڑ کر رام پور کے تمام نواب اثنا عشری ہوئے، نواب محمد سعید خاں کے زمانے میں شاندار امام باڑہ تیار ہوا۔

مارہرہ ضلع ایٹہ کا مشہور قصبہ ہے یہاں پیرزادوں کا ایک قدیم مشہور خاندان ہے جس میں نامی گرامی مشائخ گذرے ہیں۔ ان کا تعلق بلگرام کے سادات سے ہے۔ ان میں اثنا عشری مسلک کی ترویج کے سلسلہ میں اسی خاندان کے ایک مؤرخ مولوی سید محمد میاں مارہروی لکھتے ہیں[1]

"ہمارے اسلاف کرام اور ان کے اخلاف فخام سب بحمد اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے دین اسلام و مذہب مہذب اہل سنت و جماعت سے آراستہ و پیراستہ چلے آئے تھے اور اپنے اس دین متین و مذہب مہذب میں تعصب و تصلب کو مقبول و محمود جانتے اور مانتے اور بتاتے رہتے تھے اور اگرچہ اودھ کی رافضی سلطنت کے قرب اور اثر سے بلگرام اور وہاں کے نواح کے مقامات میں رہنے والے بعض ہماری نسل کے منتسبین میں شیعیت کا دخل ایک عرصۂ کثیر و دراز سے ہو گیا تھا جو باستداد زمانہ بڑھتا رہا مگر بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے اجداد کرام کے علم و عمل ظاہری و باطنی اور ان کی پختگی دین و مذہب و حفاظت شریعت نے ہمارے مارہرہ کی نسل میں اس ضلالت

---

[1] خاندان برکات از مولوی سید محمد میاں صفحہ ۸۱ - ۸۲ (مطبوعہ حسنی پریس بریلی ۱۹۲۷ء)

کو داخل نہ ہونے دیا جہاں تک معلوم ہوتا ہے اول چھا میاں صاحب[1]
لکھنؤ اور پورب کی صحبتوں سے اس طرف مائل ہوئے اور اب ان کی پانچ پشتہ
کی نسل کی جو حالت ہے وہ میں اوپر بتا چکا ہوں اور حضرت سید شاہ
آل حسین سچے میاں صاحب قدس سرہ کے بعد ان کے دوسرے بیٹے
سید محمد تقی خاں صاحب سے ان کی نسل میں بھی شیعیت کی کچھ کچھ داغ
بیل پڑنا شروع ہوئی اور اب فقیر کے علم میں اس نسل کا کوئی بھی ایسا نہیں
جو شیعہ بتفاوت مراتب نہ ہو اور ہمارے حضرات کی صاحبزادیوں کی بھی
جو نسل مارہرہ سے باہر کوات، بلگرام، باڑی ساندی وغیرہ میں ہے
ان میں بھی ایک عرصہ سے شیعیت گھس گئی ہے۔"

چونکہ آصف الدولہ کے دور میں علاقہ روہیل کھنڈ میں خاص طور سے اثنا عشری مسلک کی تبلیغ و اشاعت ہوئی اس لئے ہم نے اس کا قدرے تفصیلی جائزہ لیا ہے آصف الدولہ کو ان کے نائب سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خاں کی وجہ سے اس معاملہ میں خاصی دلچسپی تھی مولوی سید عبدالحی مصنف گل رعنا لکھتے ہیں[2]

"نواب آصف الدولہ کے زمانے کا یہ کارنامہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لہو و لعب میں مشغول ہونے کے ساتھ مذہب تشیع کی اشاعت میں انہوں

---

[1] چھا میاں کا نام آل امام بن آل برکات ہے ۱۱۹۲ھ میں پیدا ہوئے ۸ رمضان ۱۲۴۸ھ میں فوت ہوئے تفصیل کے لئے دیکھئے خاندان برکات ۲۴-۲۵

[2] گل رعنا از مولوی عبدالحی صفحہ ۱۵۲-۱۵۳

نے دل سے کوشش کی ان کے نائب حسن رضا خاں بھی مذہبی آدمی تھے وہ بھی اسی کوشش میں لگے رہتے تھے ان کی کوششوں سے ہزاروں خاندان سُنّی سے شیعہ ہو گئے اور ان کو جاگیریں ملیں اور جو اپنی ضد پر قائم رہے ان کی جاگیریں، جو شاہان مغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں ضبط کی گئیں۔"

سید غلام علی نقوی مصنف عماد السعادت لکھتے ہیں[1]

"بانی جمعہ و جماعات در اثنا عشریاں در لکھنؤ او (حسن رضا خاں) بود۔ است در ہیچ شہرے از شہر ہائے ہندوستان نماز جمعہ و جماعت در مذہب امامیہ رائج نبود بلکہ کسے را گمان ایں ہم نہ بود کہ در ایران و بلاد عرب نماز جماعت در عشریاں گزاردہ می شود۔"

سید کمال الدین حیدر مشہدی اس واقعہ کو قدرے تفصیل سے لکھتے ہیں[2]

"دوسرا امر حسنات دینی یہ ہوا کہ لکھنؤ میں سو مچھی بڑے نام شیعہ تھے۔ اور اپنی عدم واقفیت سے اعمال عوام خلاف بھی کرتے تھے اس قدر ضروریات مذہب سے آگاہ نہ تھے اور بعض جواز راہ علم واقف تھے طریقہ ہدایت پند و وعظ و جماعت نماز علی الرؤس الاشہاد نہ کہہ سکتے تھے ہر چند اپنے ایمان میں کامل تھے یہ ترقی شریعت محمدی کی فقط مرزا حسن رضا خاں کی جہت سے ہوئی اتفاقاً اسی زمانے میں مرزا جان بخت شاہزادے دفرزند

---

[1] عماد السعادت، از سید غلام علی نقوی صفحہ ۱۳۷، نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۶۴ء

[2] قیصر التواریخ جلد اول صفحہ ۱۱۳، ۱۱۴ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۶ء

شاہ عالم ثانی) مہمان جناب عالی (آصف الدولہ) تھے کس واسطے کہ وہ سنی تھے پہلے نماز جمعہ جماعت میں جناب عالی (آصف الدولہ) بھی شریک ہوئے جناب غفراں مآب سید دلدار علی زیارت عتبات عالیات اور تحصیل کتب فقہ امامیہ اور اجازت جہاد (اجتہاد؟) جناب میر سید علی صاحب طباطبائی سے کر آئے تھے صالحین و مقدسین جو اس زمانے میں صاحب احتیاط مشہور تھے ان کے صلاح و مشورہ سے جناب غفران مآب کا جانا بھی عتبات عالیات کا ہوا تھا نظر باحتیاط امامت نماز اپنی گوارا نہ کی ان کے واسطے تجویز کی تھی وگرنہ جناب غفران مآب مرزا حسن رضا خاں کے بیٹے کے معلم تھے غرض غفران مآب پیشوا و مقتدائے مومنین ہوئے چنانچہ ان کے فیضان صحبت سے بہت سے شیعہ نکلے بہت سے شاگرد رشید ہوئے جن کی تعلیم و تلقین سے اکثر جاہل ناواقف اپنے اعمال خلاف سے باز رہے توفیق ہدایت پائی اور رواج درس و تدریس و تصانیف ہونے لگا اور در حفظ احکام مسائل اثنا عشریہ جاری ہوئے۔"

"صالحین و مقدسین" کی نشان دہی کرتے ہوئے سید عبدالحئ لکھنوی لکھتے ہیں[۱]

"شاہ اکبر علی چشتی مودودی کے مشورہ اور ملا محمد علی فیض آبادی کی تحریک سے نواب حسن رضا خاں نے جمعہ و جماعت قائم کر کے سب سے پہلے مولوی سید دلدار علی نصیر آبادی کے اقتدا میں ۱۳ رجب ۱۲۰۰ھ کو نماز ادا کی

---

[۱] گل رعنا صفحہ ۱۵۴

یہ پہلا دن ہے کہ وسط ہندوستان میں شیعوں نے اپنا جمعہ وجماعت علیحدہ کرلیا نائب امام کی حیثیت سے مجتہدین کے ہاتھ میں زمام مذہب دی"

ملا محمد علی فیض آبادی کی مساعی جمیلہ کے سلسلہ میں مولوی مرزا محمد علی مؤلف نجوم السماء لکھتے ہیں [1]

"وقتیکہ جناب غفران مآب دریں بلاد بنائے اقامت جمعہ وجماعت فرمودہ واشاعت شعائر شریعت نمودہ باعث آں ملا علی مذکور شد کہ بہ ترغیب وتحریص او ایں امر خیر از نواب آصف الدولہ وزیر ش نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں مرحوم کہ از عقیدت مندان ملا علی بودند بظہور پیوست۔"

ملا محمد علی فیض آبادی کی مد ترغیب وتحریص کے سلسلہ میں یہی مصنف رقمطراز ہے [2]

"دریں اثناء قدوۃ الافاضل وفخر الاماجد والاماثل مقبول بارگاہ الہ ملا محمد علی کشمیری ملقب بہ پادشاہ طالب قراہ کہ در علم فقہ علم اشتہار برافروختہ ودر فیض آباد رحل اقامت انداختہ بود ودر رسالہ در بیان فضیلت نماز جمعہ کہ از احادیث ماثورہ وغیر آں یا ادلہ شرعیہ واضح ست تالیف نمودہ وخطبہ آنرا بنام نامی جناب نواب مرحوم (آصف الدولہ) مزین فرمودہ ودر پنج باب مبوب گردانیدہ باب چہارم آں را متضمن اثبات

---

[1] نجوم السماء از مرزا محمد علی صفحہ ۳۵۱ (مطبع جعفری لکھنؤ سنہ ۱۳۰۳ھ)

[2] نجوم السماء صفحہ ۳۴۷

ہر کس را کہ بر طبق تحقیق شاں دریں بلاد قابلیت پیش نمازی داشتند

نوشتہ باب پنجم را متضمن التماس کہ بخدمت وزیر الممالک نواب آصف

الدولہ مرحوم کردہ و درآں رسالہ مندرج ساختہ مرسل نمودہ "

ملا محمد علی فیض آبادی کے اس رسالہ کا خاطر خواہ اثر ہوا یہی مؤلف لکھتا ہے ۱ے

"سخن ملا علی در دل نواب مرحوم (آصف الدولہ) استقرار یافت و چناں

تصمیم فرمود کہ ہر گاہ اتفاق مراجعت جناب مولانا از وطن بلدۂ لکھنؤ افتد

تکلیف گزاردن نماز جماعت بآں عالی جناب نماید افتاد نواب جنت مکاں

التماس گزاردن نماز بجماعت فرمود در ایں باب مبالغہ از حد گزرانید

آصف الدولہ نے لکھنؤ میں دس لاکھ روپے کی لاگت سے ایک بڑا امام باڑہ

تیار کرایا اور نجف اشرف میں دریائے فرات سے ایک نہر نکلوائی جس سے زوار کو پانی کی

سہولت ہوئی آصفی دور کی سب سے اہم دریافت "درگاہ حضرت عباس" کا قیام ہے، ایک

شخص فقیر ناصر نے ایک علم دریائے گومتی کے کنارے پوشیدہ دفن کر دیا اور مشہور یہ کیا کہ

مجھے خواب میں بتایا گیا ہے کہ "حضرت عباس کے ہاتھ میں جو علم معرکۂ کربلا میں تھا وہ فلاں

مقام پہ دفن ہے تو اس کو نکال لے" چنانچہ اس کے بعد وہ چند آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچا

تو علم نکلا رفتہ رفتہ اس بات کی شہرت ہوئی ضعیف الاعتقاد عوام منت مرادیں مانگنے لگے

اتفاق سے ایک روز نواب آصف الدولہ اپنے کسی خدمت گار سے خفا ہو گیا اور کہا کہ کل تیری

ناک کٹوا دوں گا۔ وہ بھی بھاگا ہوا درگاہ عباس پر منت مانگنے پہنچ گیا، آصف الدولہ

۱ے نجوم السماء صفحہ ۳۴۹

کو دوسرے دن یاد بھی نہ رہا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ مہربان ہو گیا ایک روز خادم نے باتوں باتوں میں نواب کو ناراضی کا واقعہ یاد دلاتے ہوئے کہا "بعنایت خدا و بہ تصدق علم جناب عباس علیہ السلام و تفضلات حضور ناک غلام کی بچ گئی" نواب آصف الدولہ نے علم کی کیفیت پوچھی، نواب آصف الدولہ نے فقیر کو بلا کر ایک ہزار روپیہ دیا۔ نجم الغنی خاں لکھتے ہیں[۱]

"نواب آصف الدولہ ہزار جان و دل سے شہدائے کربلا کے جاں نثار تھے اس علم کی زیارت کے لئے آنے لگے اور ایک گنبد اینٹوں کا وہاں تعمیر کرادیا۔ یہ گنبد اور بھی موجب ترقی ہوا"

نواب آصف الدولہ کے سریر آرائے حکومت ہونے کے بعد ان کے بھائی سعادت علی خاں (وفات ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء) روہیل کھنڈ کی صوبیداری سے معزول ہو کر بنارس پہنچے، سعادت علی خاں نے یہ نیت کی کہ اگر آصف الدولہ کے بعد لکھنؤ کی حکومت مجھے مل گئی تو میں علم جناب عباس کی درگاہ کو رونق دوں گا۔ چنانچہ آصف الدولہ کے بھتیجے وزیر علی خاں کے علیحدہ ہونے کے بعد سعادت علی خاں نواب اودھ بنے اور ان کی دلی مراد بر آئی۔ نواب سعادت علی خاں نے درگاہ علم عباس کے گنبد خشتی کو طلائی کیا اور درگاہ کو وسعت دی۔ اس میں دو درجے زنانے اور مردانے قائم کئے اور وہاں کی رونق بہت بڑھ گئی۔ اس کے بعد غازی الدین حیدر نے بلند نقار خانہ بنوایا۔ نوبت اور گھڑیال رکھے گئے، اندرونی درگاہ، دروازہ اور منبر چاندی کے بنائے گئے اور آرائش کا سامان

---

[۱] درگاہ علم حضرت عباس کے لیئے ملاحظہ ہو تاریخ اودھ از نجم الغنی خاں جلد سوم صفحہ [illegible]

رکھا گیا۔ نصیر الدین حیدر کے وقت میں ملکۂ زمانیہ نے درگاہ کا باورچی خانہ تعمیر کرایا تھا[۱]۔ غرض اس قسم کی درگاہیں قائم کر کے عوام کے لئے عقیدت کے آستانے فراہم کئے گئے[۲]۔

ہم نے اودھ کے پہلے چار حکمرانوں کے دور کا جائزہ لیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اثنا عشری مسلک کی اشاعت میں بھرپور کوشش کی آصف الدولہ کے زمانے میں اس مسلک کی سب سے زیادہ اشاعت ہوئی اس کے زمانے میں نظام حکومت تو بالکل ڈھیلا پڑ گیا۔ انگریزوں کی گرفت سخت سے سخت تر ہوگئی مگر اثنا عشری مسلک کی تنظیم کی بنیادیں خوب مضبوط ہوگئیں۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی لکھتے ہیں[۳]

---

[۱] درگاہ علم حضرت عباس کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ اودھ از نجم الغنی خاں جلد سوم صفحہ ۳۰۲-۳۰۳

[۲] ماہنامہ "معارف" لاہور ستمبر ۱۹۶۲ء میں "رضا کار لاہور" مجریہ ۱۶ رجولائی ۱۹۶۲ء سے ایک مضمون نقل ہوا ہے جس کا عنوان ہے "قافلہ نبوت لاہور میں" مضمون نگار کا نام حکیم خادم اسلم ہے جنہوں نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کی صاحبزادی رقیہ زوجہ مسلم بن عقیل، عقیل کی پانچ بہنوں کے ہمراہ واقعہ کربلا (۶۱ھ) کے بعد ہندوستان آئیں اور لاہور میں "بیبیاں پاکدامناں" کی جو قبریں ہیں وہ ان ہی خواتین کی ہیں مضمون میں کشف و کرامات اور افسانے کے سوا کچھ نہیں ہے، تاریخ کا منہ چڑایا گیا ہے حیرت تو ہمیں مدیر "معارف" عبد الرحمن شوق مصنف تاریخ اسلام پر ہے کہ انہوں نے اپنے موقر جریدہ میں کیسے نقل کر دیا، پیر غلام دستگیر نامی (ف ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء) نے اس کی تردید فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ جلیلہ از پیر دستگیر نامی صفحہ ۱۲۲، ۱۲۳ (لاہور ۱۹۶۰ء)

[۳] لکھنؤ کا دبستان شاعری، از ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی صفحہ ۲۸ (لاہور ۱۹۵۵ء)

"نواب وزیر اور ان کے خاص محل کے ذاتی اثر نے اس عقیدے (امامیہ مسلک) کو لکھنوی تمدن کا ایک نمایاں عنصر بنا دیا۔"

اسی زمانے میں دہلی میں ذوالفقار الدولہ نجف خاں امیر الامراء (ف ۱۱۹۶ھ ۱۷۸۲ء) شاہ عالم ثانی کی حکومت کے سیاہ و سپید کے مالک بنے ہوئے تھے ۱۷۷۱ء میں جب شاہ عالم ثانی دہلی آئے تو انگریزوں نے نجف خاں کو سپہ سالار فوج کی حیثیت سے بادشاہ کے ساتھ بھیجا امراء کی آپس کی کمزوری، نفاق اور دشمنی نے موقعہ دیا کہ وہ سب پر بازی لے گئے وہ اپنے عقائد میں نہایت متصلب اور متعصب تھے مرزا محمد علی مولف نجوم السماء لکھتے ہیں [۱]

"نواب نجف خاں مرحوم کہ سرآمد امرائے روزگار، و از شیعان ائمہ اطہار بود۔"

شیخ غلام ہمدانی مصحفی لکھتے ہیں [۲]

"در عہد شاہ عالم بادشاہ کہ بہ سبب بودن امیر الامراء ذوالفقار الدولہ بہادر در دہلی علمائے اہل تشیع بیشتر بود۔"

ذوالفقار الدولہ نجف خاں امیر الامراء کا دس گیارہ سال تک دہلی میں استیلا اور غلبہ رہا ان کے زمانے میں ان کے مسلک کو بڑا فروغ اور سنیوں کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ مرزا مظہر جانجاناں لکھتے ہیں [۳]

---

[۱] نجوم السماء صفحہ ۳۵۳ [۲] عقد ثریا از غلام ہمدانی مصحفی در ترتیب مولوی عبدالحق، صفحہ ۵۵ (اورنگ آباد ۱۹۳۴ء) [۳] کلمات طیبات، (ملفوظات و مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں) مرتبہ ابوالخیر محمد بن احمد مراد آبادی صفحہ ۷۵ (مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۰۹ھ)

"حالِ مردم ایں شہر از روزیکہ نجف خاں ، است از شاہ تا گدا تباہ است"

اکابر صحابہ کرام مثل خلیفہ دوم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر حضرت مظہر جان جاناں جیسے شیخ کی موجودگی میں مرثیہ خواں تبرا کرتے تھے ملفوظات مظہری میں ہے [1]

"حضرت ایشاں (مرزا مظہر جان جاناں) می فرمود کہ یک بار فقیر را بر مجمع از مرثیہ خواناں شیعی اتفاق گذر افتاد ناگاہ یکے از آناں بے ادبی در جناب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کشود چوں تاب تحمل و طاقت ضبط آں نماند زمام اختیار از دست رفت"

اس زمانے میں دہلی میں محرم کی مجالس میں صحابہ کرام اور اولیائے عظام کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی پر تبرا ہوتا تھا [2] مرزا نجف خاں کے زمانے میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشہور و معروف بزرگ اور اجل شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی شہادت ہوئی حضرت مرزا نے اس دور میں شیعیت کے طوفان کو بڑی پامردی

---

[1] معمولات مظہریہ از مولوی نعیم اللہ بہرائچی صفحہ ۵۰ مجتبائی نظامی کانپور، ۱۲۷۵ھ)

[2] اخبار رنگیں از سعادت یار خاں رنگیں (مرتبہ ڈاکٹر سید معین الحق) صفحہ ۲۰ (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، ۱۹۶۲ء)، مرزا محمد رفیع سودا نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی ہجو کی ہے قصیدہ کا مطلع ہے ۔ کروں چمن میں اگر جا کے غزل خوانی ۔۔ تو بلبلیں ہوں میرے پیچھے کی دیوانی تفصیل کے لئے دیکھیے، "سودا" از شیخ چاند صفحہ ۲۵۵ (اورنگ آباد ۱۹۳۶ء)

سے روکا تھا اور عقائد اہل سنت کی حکیمانہ انداز میں تبلیغ کی مرزا صاحب کے مکتوبات اس پر شاہد ہیں [۱] ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے ایک لشکری فولاد خاں شیعہ [۲] نے مرزا صاحب کو شہید کیا ایک اہم عصر تذکرہ نگار لکھتا ہے [۳]

"در دورۂ نواب نجف خاں بسبب اختلاف مذہب از دست شخصے شیعہ بضرب طپانچہ رخصت شہادت یافت"

ایک قریب العصر مؤرخ مولوی عبدالقادر رام پوری لکھتے ہیں [۴]

"جناب مرزا کو نواب نجف خاں کے ایک نادان شیعہ لشکری نے رات کے وقت آکر اور حضرت کو تنہا پاکر بندوق کی گولی ماردی اس شیعہ لشکری نے یہ کام مذہبی تعصب کی بنا پر کیا اس زخم نے مرزا مظہر جانجاناں کو ان کے بزرگوں کے پاس پہنچا دیا۔ کہتے ہیں کہ شاہ عالم نے اس سانحہ کو سن کر انگریز ڈاکٹر کو معالجہ کے لئے تجویز فرمایا اور نجف خاں کو تاکید کی کہ ان کے قاتل کو پکڑ کر قصاص کے لئے حضور میں پیش

۱؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کلمات طیبات مرتبہ ابوالخیر محمد (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ) مقامات مظہری مرتبہ شاہ غلام علی مجددی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ) معمولات مظہریہ مرتبہ مولوی نعیم اللہ بہرائچی (مطبع نظامی ۱۲۷۵ھ)

۲؎ آب حیات از شمس العلماء محمد حسین آزاد صفحہ ۱۴۴ (شیخ مبارک علی، لاہور)

۳؎ طبقات سخن از مبتلا میرٹھی بحوالہ مرزا مظہر جانجاناں اور ان کا اردو کلام ص ۹۴

۴؎ علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول ص ۲۲۹

غیرت، اسلامی اور معافی

کر سے جناب مرزا نے اس حالت میں بادشاہ کو مضمون لکھا۔
دست شیعہ کے زخم کا علاج عیسائی سے کرانا اپنے کی شکایت غیر
سے ہے جس کو میں اچھا نہیں سمجھتا اور فقیر کا قاتل اگر گرفتار ہو جائے
تو اس کو احقر ہی کے حوالے کر دیں تاکہ بطریق متانی خود قصاص لے لوں"

شبلی ابراہیم نے گلزار ابراہیم میں لکھا ہے [۱]

"گویند بہ سبب تعصب مذہب منع تعزیہ سید الشہدا علیہ السلام
می نمود بدیں حمیت از دست یکے از ساکنان دہلی در سنہ یک ہزار
و یک صد و نود و چہار ہجری [۲] کہ عمرش قریب صد بود کہ مقتول شد

علی لطف اس سلسلہ میں کچھ مزید گوہر افشانی فرماتے ہیں [۳]

"کہتے ہیں کہ ہفتم روز عاشورہ کو لب بام یہ اپنے گھر میں سر راہ بیٹھے
تھے اور کوئی سردار روہیلوں کا بھی آیا تھا واسطے ان کی ملاقات کے
کہ ناگاہ گذر شدوں کا ان کے زیر بام سے ہوا اس روہیلے نے کھڑے
ہو کر سینہ زنی بھی کی اور موافقت سلام سے ہوا اور میرزائے مذکور جس طرح
بیٹھے تھے اسی طرح بیٹھے رہے بلکہ متبسم ہو کر فرمانے لگے کہ بارہ سو برس
جس مقدمہ کو ہو چکے ہوں ہر سال اسے زیادہ کرنا کیا بدعت ہے اور

---

[۱] علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد اول صفحہ ۲۲۹

[۲] گلشن ہند از مرزا علی لطف (تحشیہ و تصحیح از شبلی نعمانی و مقدمہ از مولوی عبد الحق)
۲۱۶ (حیدر آباد دکن ۱۹۰۶ء)

[۳] گلشن ہند صفحہ ۲۱۷ یہ تاریخ غلط ہے ۷ محرم ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۰ء کو یہ واقعہ ہوا ہے

انگریزوں کو سلام و تسلیم کرنا نہایت عقل کی خفت ہے یہ گفتگو بخشے دہ وہ لوگ جوکہ علم اور رشدوں کے ساتھ تھے انھوں نے سنی اور تعصب کی مرزائے مذکور کے امام باڑوں میں اور محفلوں میں دو تین شب گفتگو رہی آخر شب شہادت کو کہ عبارت شب چہار دہم عاشورہ سے ہے کوئی شخص ان کے دروازہ پہ آیا اور ان کو باہر بلوایا جب باہر آئے تو یہ گفتگو ایک چوٹ طپنچے کی نذر کی اور کام ان کا پورا کرکے نکلوہ راہ اپنے گھر کی لی "

غرض نجف خاں کی امیر الامرائی میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں جیسے اجل شیخ دن دھاڑے قتل ہوگئے جن کے ہزاروں مرید و معتقدین پاک و ہند میں پھیلے ہوئے تھے خود دہلی میں ان کا بڑا اثر و قبول عام تھا اور پھر اس ظلم صریح کی داد نہ فریاد۔

شاہ غلام علی دہلوی لکھتے ہیں سلہ

"نجف خاں کہ بر تقاضائے او مرتکب ایں امر و شہادت مرزا شدہ بودند وے در اجرائے حد تغافل کرد، عنقریب مرد و اتباع او باہم مجادلات نمودہ رخت حیات بربستند نشانے از آں ظالماں پیدا نیست "

کسی نے کیا خوب کہا ہے سلہ

سلہ مقامات مظہری از شاہ غلام علی دہلوی صفحہ ۶۲ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ)

سلہ معمولات مظہریہ از محمد نعیم اللہ بہرائچی صفحہ ۱۴۴ (مطبع نظامی کانپور ۱۲۷۵ھ)

نجف خاں نماند و نجف خانیش ‏ نہ افراسیاب و نہ ہمراہیش

نہ لشکر بماند و مرزا شفیع ! ‏ شود حاکم تو بفصل ربیع

خود شاہ عبدالعزیز اور ان کے خاندان کو نجف خاں کے زمانے میں شدائد و مصائب اختیار کرنے پڑے اس کا سبب شاہ صاحب کا شیعیت کے خلاف قلمی ولسانی جہاد میں حصہ لینا تھا۔ شاہ صاحب کی جائداد اور املاک ضبط ہوئی اور وہ شہر دہلی سے نکالے گئے مؤلف مناقب فخریہ کا بیان ہے [1]

"فرزندان شاہ ولی اللہ مغفور را آنچہ متصدیان سلطانی حویلی علیحدہ ساختہ حویلی را بضبط آوردہ بودند"

(امیر الروایات) میں ہے [2]

(نجف خاں) نے شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین کو اپنے قلمرو سے نکال دیا تھا اور یہ ہر دو صاحبان معہ زنانوں کے شاہدرہ تک پیدل آئے تھے اس کے بعد مولانا فخر الدین صاحب

---

[1] مناقب فخریہ از غازی الدین خاں نظام صفحہ ۱۶ (مطبع احمد دہلی ۱۳۱۵ھ)

[2] حکایات اولیاء (مرتبہ مولانا اشرف علی تھانوی صفحہ ۲۴ (مطبوعہ لاہور ۱۹۵۶ء)

شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین دہلوی کا دہلی سے نکالا جانا اور کسی تاریخی ماخذ یا ہم عصر لٹریچر میں نظر سے نہیں گزرا، پھر دہلی سے لکھنؤ یا جونپور جانا کیا معنی رکھتا ہے وہاں بھی نوابان اودھ کی حکومت تھی اگر جاتے تو روہیل کھنڈ (رام پور) وغیرہ جاتے اور پھر لکھنؤ یا جون پور کے اس دور کے کسی شخص نے ان بزرگوں کی آمد کا ذکر نہیں کیا ہے۔

سختی سے زنانوں کو تو سواری مل گئی تھی اور وہ پھلت روانہ ہو گئے
تھے مگر شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز صاحب کو سواری نہ ملی تھی
اور شاہ رفیع الدین صاحب پیدل لکھنؤ چلے گئے تھے اور شاہ عبدالعزیز
صاحب پیدل جون پور چلے گئے تھے کیونکہ ان دونوں بھائیوں کو نہ سوار
ہونے کا حکم تھا اور نہ ساتھ رہنے کا ۔"

اگرچہ یہ روایت قدرے مبالغہ آمیز ہے مگر ضبطی جائداد کا واقعہ صحیح ہے کیونکہ جائداد کے متعلق تحریری حوالہ ملتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے ۳۰ رجون ۱۸۰۷ء کو ایک درخواست رزیڈنٹ دہلی کے توسط سے سیکرٹری، پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کو دی تھی کہ دہلی میں ان کی جو جائداد ضبط ہو چکی ہے وہ واگزاشت کی جائے اس درخواست کو قابل اعتنا سمجھا گیا چنانچہ کیفیت کے خانہ میں درج ہے ۔

The Resident, Delhi forwards copy and letter from the Superintendent of the Assigned Territory and recommends that the land in Haveli Palam formerly owend by Maulvi Shah Abdul Aziz be restored to him

شاہ عبدالعزیز دہلوی کی یہ درخواست منظور ہو گئی اور ۱۰ رجولائی ۱۸۰۷ء
سیکرٹری پولیٹکل ڈپارٹمنٹ ڈپارٹمنٹ کی طرف سے رزیڈنٹ کو اطلاع دی گئی کہ گورنمنٹ

شاہ عبدالعزیز کی جائداد واگزاشت ہونے کی تجویز منظور کرتی ہے ۱؎

معلوم ہوتا ہے کہ جب شاہ عبدالعزیز صاحب کو دہلی میں دوبارہ رہنے کی اجازت مل گئی تو وہ پرانی دہلی (کوچہ انبیاء) اور پھر حویلی خاں دوراں خاں (کلاں محل) میں مقیم رہے چنانچہ پرانی دہلی کے قیام میں بھی شیعہ حضرات کی طرف سے ایذا رسانی کا سلسلہ جاری رہا ۲؎ پھر مکانات واگزاشت ہو گئے ہوں گے اور صحرائی... جائداد باقی رہ گئی ہو گی جو انگریزی حکومت کے قیام کے بعد واگزاشت ہوئی۔ مگر ان شدائد و مصائب کے باوجود شاہ عبدالعزیز نے اپنے تبلیغی اور اصلاحی مشن کو جاری رکھا۔ ملفوظات عزیزی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا ۳؎

"غازی الدین حیدر بلا منصب و جاگیر مجھے طلب کرے تو میں جانے کو تیار ہوں بشرطیکہ تعرض نہ کرے اور انشاءاللہ خلقت الٰہی کو بڑی ہدایت ہوگی اور میں اپنی تقریروں میں مناسب تبدیلی کر کے ان کو مفید بنا دوں گا اور نئے انداز کی تقریریں کروں گا"

۱؎ جائداد اور اس کی واگزاشت ہونے کے متعلق ملاحظہ ہو "پریس لسٹ آف اولڈ ریکارڈس ان دی پنجاب سیکریٹریٹ" جلد اول (دہلی ریزیڈنسی اینڈ ایجنسی ۱۸۰۶ - ۱۸۵۷) (لاہور سنہ ۱۹۱۱ء) ممکن ہے شاہ عبدالعزیز دہلوی کی یہ اصل درخواست لاہور کے ریکارڈ آفس میں موجود ہو

۲؎ ملاحظہ ہو ملفوظات شاہ عبدالعزیز (ترجمہ مفتی انتظام اللہ شہابی و مولوی محمد علی) صفحہ ۵۵، ۱۱۲، ۱۱۶ (پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز، کراچی سنہ ۱۹۶۰ء)

۳؎ ملفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ ۱۱۱

جو عوام میں مقبول ہوں گی اور لوگ فریفتہ ہوں گے۔"

اس زمانے میں شیعیت کے فروغ کے ساتھ "تفضیلیت" کا بھی باقاعدہ پرچار ہوا بلکہ شیعیت کا پہلا زینہ تفضیلیت ہی ہے یہ لوگ حضرت علی رضؓ کو شیخین السیدین حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر من حیث الوجوہ فضیلت دیتے ہیں۔ پنجتن پاک اور چہاردہ معصوم کا عقیدہ رکھتے ہیں، ائمہ طاہرین کا دم بھرتے اور محرم میں عزاداری کرتے ہیں متصوفین کے ذریعے تفضیلیت کی تبلیغ واشاعت ہوئی ہے اکبر کے زمانے کے مشہور صوفی شیخ میر عبدالواحد بلگرامی (م ۱۰۱۷ھ / ۱۶۰۸ء) نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف سبع سنابل کا پہلا سنبلہ (باب) تفضیلی عقائد اور متعصب سادات ہی کے رد میں لکھا ہے شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں تفضیلی عقائد کی نشر واشاعت میں حضرت شاہ فخرالدین دہلوی (م ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء) نے سب سے زیادہ حصہ لیا وہ باقاعدہ شیعہ حضرات کو بیعت کرتے تھے امام باڑے جاتے، ایک روپیہ نذر کرتے اور پانی کی سبیل لگاتے بلکہ شیعہ لوگ ان کو شیعہ اور سنی ان کو سنی سمجھتے تھے[۱] ایک مرتبہ شاہ عبدالعزیز نے شیعوں کے بیعت کرنے پر شاہ فخر صاحب پر اعتراض کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ شیعہ اس طرح (بیعت کرنے سے) سب و شتم اور تبرا سے باز آجاتے ہیں[۲] اگرچہ یہ بات کسی حد تک درست ہو لیکن شیعوں کے دوسرے معتقدات کی اشاعت بھی عام سنیوں

---

[۱] ملفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ ۱۲۱

[۲] ملفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ ۷۹

میں اسی اختلاط کی وجہ سے ہوئی اور عوام اہل سنت میں پنجتن پاک، ائمہ معصومین، چہاردہ معصومین، بارہ امام، امام ضامن، بی بی کی صحنک اور دوسرے شیعہ معتقدات و معمولات نے جڑ پکڑی اور پھر اس کا نقطۂ عروج مراسم محرم اور تعزیہ داری کی شکل میں ظاہر ہوا حضرت شاہ فخر دہلوی رح کے خلیفہ شاہ نیاز احمد بریلوی رح (ف ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء) روہیل کھنڈ میں تفضیلی عقائد کے سب سے بڑے مبلغ ہیں ان کے افکار سمجھنے کے لئے صرف ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے [۱]

> "حضرت نیاز بے نیاز کا معمول تھا کہ دوپہر کو اندر مکان کے قیلولہ فرما کر قبل نماز ظہر خانقاہ میں برآمد ہوتے تھے لیکن ایک روز ایسا ہوا کہ آپ وقت معین پر خانقاہ میں تشریف نہیں لائے ظہر کا وقت گزر گیا اور عصر کا وقت قریب آگیا اس وقت خادماں و غلامان موجود خانقاہ اس خلاف معمول امر سے سخت پریشان ہوئے اور زنانہ مکان کی ڈیوڑھی پر حاضر ہو کر سبب عدم تشریف آوری کا دریافت کرنے لگے آپ نے فرمایا کہ میرے خانقاہ نہ آنے کا یہ باعث ہے کہ تم خانقاہ میں ایسی کتاب لائے ہو جس میں مولا علی کی شان میں طریق گستاخانہ

---

[۱] ناز و نیاز حصہ اول حالات و ملفوظات شاہ نیاز احمد بریلوی، مرتبہ نصیر الزماں خاں صفحہ ۶۹ ولنظامی پریس بدایوں سال طباعت ندارد

کا استعمال کیا ہے اس کتاب کو ہماری خانقاہ سے باہر کردو
جب خانقاہ میں آئیں گے یہ سُنکر حاضرین میں سے ایک صاحب
نے معذرت کی کہ فی الحقیقت یہ خطا مجھ سے ہوئی ہے۔ آج
دوپہر کو میں ایک دوست سے کتاب تحفہ اثناء عشریہ پڑھنے
کے لئے خانقاہ میں لے آیا تھا اب فوراً کتاب واپس کرتا ہوں
غرض جب کتاب خانقاہ سے چلی گئی، جب حضرت خانقاہ میں
تشریف لائے کتاب تحفۂ اثناء عشریہ درحقیقت تصنیف شاہ
عبدالعزیز محدث دہلوی کی ہے اگرچہ انہوں نے اس کو اپنے
ایک شاگرد کے نام سے شائع کیا"

اس کے بعد مؤلف رازونیاز نصیر الدین صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی مزید تخفیف، تنقیص بلکہ تبرا کیا ہے[۱]

اسی کے قریب زمانے میں حضرت شاہ دلدار علی مذاق بدایونی رح (ف ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء) مشہور تفضیلی بزرگ گذرے ہیں[۲] انہوں نے روہیل کھنڈ میں سب سے پہلے علی کرم اللہ وجہہ کا میلاد شریف "میلاد مصطفوی و مرتضوی" لکھا اور مروج کیا اسی طرح حضرت علیؓ کا ایک سہرا لکھا جو اکثر شادی کے موقعہ پر گایا جاتا ہے اس

---

[۱] رازونیاز (حصہ اول) صفحہ ۶۹ — ۷۰

[۲] شاہ دلدار علی مذاق کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو تذکرۃ الواصلین از رضی الدین بدایونی صفحہ ۲۶۲ — ۲۶۴ (نظامی پریس بدایوں ۱۹۴۵ء)

سہرے کا پہلا شعر ہے ؎

علی نوشہ بنا سہرا بندھا مشکل کشائی کا
ملا خلعت نبی سے خلق کی حاجت رَوائی کا

اودھ میں تفضیلیت کی اشاعت تکیۂ کاکوری کے مشہور قلندریہ مشائخ کے ذریعہ ہوئی انہوں نے یہ صور اتنی بلند آہنگی سے پھونکا کہ جس کی صدائے بازگشت آج تک سنائی دیتی ہے ۔ اضلاع سہارن پور، میرٹھ، مظفر نگر اور بلند شہر میں بھی تفضیلی عقائد تیزی سے پھیلے ان میں بعض تو شیعہ ہو گئے [۱] دیوبند میں تو دتمام شیخ عثمانی) تفضیلی تھے [۲] نانوتہ کے صدیقی شیخ زادگاں میں شیخ تفضل حسین بن شیخ علی محمد شیعہ ہو گئے تھے [۳] شیعہ اور سنّی حضرات میں آپس میں شادی بیاہ ہوتے تھے مولانا محمد قاسم نانوتوی لکھتے ہیں [۴]

"بنواحے کہ زاد و بوم احقر است شیعان و سنیاں چناں مخلوط اند کہ رشتہ و رابطہ قرابت طرفین را بطرفین محکم و مستحکم است"

دیوبند کے ایک عثمانی شیخ زادے شیخ احمد بن مولوی محمد وجیہ الدین عثمانی نے تفضیلیت کے بعد مسلک اختیار کیا اور اس کی تبلیغ کے لئے ایک کتاب نوارالہدیٰ

---

[۱] حکایات اولیاء صفحہ ۱۴۱

[۲] سوانح قاسمی جلد اول از مولانا مناظر احسن گیلانی صفحہ ۶۱

[۳] سوانح قاسمی جلد اول صفحہ ۶۲، ۶۳

[۴] فیوض قاسمیہ از مولانا محمد قاسم نانوتوی صفحہ ۵، ۶ (کتب خانہ اعزازیہ دیوبند سال طباعت ندارد)

لکھی اس کتاب کے آغاز میں وہ خود لکھتے ہیں لہ

"خاکسار ذرہ بے مقدار شیخ احمد بن جناب مولانا مولوی محمد وجیہہ الدین صاحب عثمانی ساکن دیوبند ضلع سہارن پور مضافات صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد خدمت ارباب تحقیق میں عرض کرتا ہے کہ سن شعور سے از روئے عقیدۂ آبائی بہ عاجزہ متمسک طریقہ اہل سنت وجماعت کا تھا اور اس مذہب کے حق ہونے پر نہایت درجہ غلو رکھتا تھا اور فرقہ شیعہ سے بالخصوص ایک قسم کی نفرت تھی مگر خارج از مذہب ایک یہ عقیدہ کہ جناب علی مرتضیٰ جمیع صحابہ سے افضل ہیں درحقیقت ورثہ پدری میں پہنچا تھا اور اگرچہ متمسکان طریقہ امامیہ سے ایک کاوش تھی لیکن اس عقیدہ پر نہایت مستقل طور سے قائم تھا اب اس عقیدہ کا نتیجہ کیا نکلا وہ ملاحظہ ہو ٹہ

"اب بالکل یقین اس بات کا ہو گیا کہ مذہب اہل سنت والجماعت کسی طرح مذہب حق نہیں ہے بلکہ مذہب امامیہ اثنا عشریہ برحق ہے اور معلوم ہوا کہ میاں جعفر زٹلی کا یہ قول صحیح ہے کہ "السنی متمسک مذہب ناحق بزور عبادلہ""

لہ انوار الہدیٰ از شیخ احمد بن مولوی وجیہہ الدین عثمانی صفحہ ۲ مطبع اثنا عشری دہلی ۱۳۱۲ھ

ٹہ انوار الہدیٰ صفحہ ۴

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے زمانے میں بعض مشہور مشائخ بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اوپر ہم نے حضرت فخرالدین دہلویؒ اور شاہ نیاز احمد بریلوی وغیرہ کا ذکر کیا ہے یہاں ہم ایک واقعہ مجالس رنگین سے نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ پیری مریدی کے ذریعہ سے بھی اثنا عشری مسلک کس خوبی سے پروان چڑھا سعادت یار خاں رنگیں لکھتے ہیں [1]

"سہارن پور کے قریب ایک اشرافوں کا شہر ہے اس کو منہارون کا رام پور کہتے ہیں اس میں ایک جدی آدھے سنی آدھے شیعہ آباد ہیں مگر ہمیشہ ان سب میں باعث دین کے نزاع رہتی ہے پر ہر ایک اپنے مذہب سے دل شاد ہیں ہر گاہ فرقہ سنیوں کا کچھ لکھنؤ میں زیادتی شیعوں کی سنیوں پر سنتے ہیں تو باہم نہایت غم کرتے ہیں اور آزردہ ہوتے ہیں اور جب فرقہ شیعوں کا کچھ رام پور جو افغانوں کا ہے اس میں کچھ زیادتی سنیوں کی شیعوں پر سنتے ہیں تو باہم مل کر ماتم کر کے روتے ہیں۔ قصہ کوتاہ اب کی سال جو فرقہ شیعوں نے سنا کہ میاں صابر بخش پیرزادے نے امام باڑہ بنا کر تعزیہ داری اختیار کی اور پیر محمدی صاحب کو جو بڑے مشائخ سنیوں کے تھے انہوں نے محرم میں سر بازار جبس اڑا کر اور سینہ زنی اور ماتم کر کر اپنی ماتم داری اظہار

---

[1] اخبار رنگیں ص ۱۷، ۱۸

کی تو انہوں نے کمال اس بات کی شادی کی کہ سبحان اللہ ایسے دو مشائخ زبردست گروہ سنیوں میں سے اس مذہب کو اچھا جان کر داخل ہو کر ظاہر ہوئے اور فرقہ سنی یہ سمجھ کر نہایت خوش ہوئے کہ الحمد للہ کو جو چور ہم میں چھپے ہوئے لوگوں کو مرید کر کر گمراہ کرتے تھے ہم ان سے باہر ہوئے "

شاہ میر محمدی (ف ۱۲۲۱ھ / ۱۸۲۰ء)، حضرت شاہ فخر الدین دہلوی کے خلیفہ ہیں [۱] صابر بخش (ف ۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۰ء) چشتی صابری سلسلہ کے دہلی کے مشہور بزرگ ہیں [۲] حضرت شاہ فخر الدین دہلوی کے ایک مرید و خلیفہ مشہور شاعر مرزا قمر الدین منت (ف ۱۲۰۸ھ / ۱۷۹۴ء) تھے [۳] انہوں نے کھلم کھلا شیعہ مسلک اختیار کر لیا قمر الدین منت کے متعلق مولوی عبد القادر رام پوری لکھتے ہیں [۴]

---

[۱] میر محمدی بیدار کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو (۱) مقدمہ دیوان بیدار از جلیل احمد قدوائی صد ۲-۱ (ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد ۱۹۳۷ء)، مجموعہ نغز از قدرت اللہ قاسم (مرتبہ پروفیسر محمود شیرانی صد ۱۱۸/۱ (لاہور ۱۹۳۳ء)) [۲] ملاحظہ ہو علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی)، صد ۲۶۲، ۲۶۳ آثار الصنادید صفحہ ۲۳، ۲۴ (باب چہارم، لکھنؤ ۱۸۶۷ء) [۳] قمر الدین منت کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو (۱) علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی، جلد دوم صفحہ ۲۰۰، ۲۰۱ (۲) لکھنؤ کا دبستان شاعری از ابو اللیث صدیقی صد ۱۲۹، ۱۳۲ (لاہور ۱۹۵۵ء)، (۳) مجموعہ نغز جلد دوم صد ۲۱۵ (۴) فخر الطالبین (ملفوظات شاہ فخر الدین دہلوی)، مرتبہ نور الدین حسینی صد ۱۹ - ۲۰ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۵ھ)

[۴] علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی)، جلد دوم صفحہ ۲۰۰، ۲۰۱

"میر قمر الدین منت جناب شاہ عبد العزیز صاحب کے عزیزوں
میں سے ہیں اور یگانۂ آفاق جناب مولوی فخر الدین اورنگ
آبادی مولداً و دہلوی مرقداً طاب ثراہ کے مرید ہوئے۔
اور ایک عالم کے مرشد ہو گئے۔۔۔ قمر الدین منت نے کچھ عرصہ
کے بعد لکھنؤ میں نواب حسن رضا خاں اور حیدر بیگ خاں کا تقرب
حاصل کر لیا اپنے کو اثنا عشری ظاہر کیا۔ اور اس راہ (مذہب
اہل سنت) سے پھر گیا حیدر بیگ خاں کی رفاقت میں کلکتہ
آیا اور مر گیا۔"

قمر الدین منت شاہ ولی اللہ کے پروردہ یافتہ اور شاہ عبد العزیز کے عزیز اور شاگرد تھے [۱] شاہ صاحب نے اصول حدیث کی مشہور کتاب عجالۂ نافعہ ان ہی کے لئے قلم بند فرمائی [۲]

تعزیہ داری اور مرثیہ خوانی وغیرہ کے زور شور کو دیکھ کر شاہ غلام علی مجددی (ف ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء) اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں [۳]

"درویشاں ایں شہر اسماء می خوانند و تعزیہ ہا می نویسند برائے
تسخیر و رجوع خلق و تفضیل جناب امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

ص ۹۲
[۱] قمر الدین منت کے شیعہ ہونے کا اشارہ ملفوظات عزیزی میں بھی ملتا ہے ملاحظہ ہو ملفوظات شاہ عبد العزیز
[۲] عجالہ نافعہ از شاہ عبد العزیز دہلوی صفحہ ۳ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۸ھ
[۳] مکاتیب شریفہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی مرتبہ رؤف احمد مجددی صفحہ ۱۲۱ دلاہور ۱۳۷۱ھ

بر خلفاء ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم می نمایند و تعزیہ ہا می
سازند و مرثیہ ہا می شنوند و امر می کنند باین دو کار و
شنیدن طنبور و سارنگی و بدعتہا طریقہ دارند

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں [1]

"و تعزیہ ساختن و مرثیہ خواندن و تصویر پیش خود داشتن و
تراشیدہ نام قدم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم برآں نہادہ
خلق را سنگ پرست ساختن و قصر ریش کردن، و نماز
ترک قومہ و جلسہ و طمانیت ضائع نمودن و لہو باد مرنج
جنگا نیدن و نغمۂ تار طنبور و اعمال جوگیاں و انواع اذکار
کہ از قدما مروی نیست معمول داشتن طریقۂ صحابہ نیست"

ایک اور خط میں لکھتے ہیں [2]

"شنیدن تار و نغمہ و تعزیہ بار مرثیہ ہا و صور تصاویر
معاذ اللہ اکابر چشتیہ و قادریہ رحمۃ اللہ علیہم ہا مریداں را
باین بدعتہا نفرمودہ اند"

یہ حضرات بعض اوقات امام مسجد اور پیش نماز بن کر بھی جمہور اہل سنت
کی مساجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے اور اس طرح اپنے مسلک کی تبلیغ

---

[1] ایضاً صفہ ۱۵۹

[2] ایضاً صفہ ۱۴۶

کرتے رہے ہیں۔ ایک مشہور شیعہ مشنری نقاء علی حیدری بدایونی (وفات ۱۹۶۴ء)
اپنی خود نوشت حالات میں لکھتے ہیں [1]

"رنگون کی مجالس کے سلسلہ میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ
پہلے دن جاند و صاحب (مہتمم مجالس) نے فرمایا کہ بنگالی مسجد
کے امام چاہتے ہیں کہ آپ کی تقریر سے قبل کچھ بیان کریں میں نے
منظور تو کر لیا لیکن یہ اندیشہ ہوا کہ اگر انہوں نے کچھ ہمارے عقیدے
(شیعی مسلک) کے خلاف بیان کیا تو مجبوراً جواب دینا پڑے گا بہر
حال وہ جناب مجلس میں تشریف لائے ان کا حلیہ یہ تھا۔ بہت لمبی
داڑھی، عبا، قبا، جبہ دستار سے مزین، لانبا عصا، ہاتھ میں متعدد
رنگ برنگ کی تسبیحیں گلے میں ڈالے، لوگ تعظیم کو کھڑے ہوئے
میں نے بھی تعظیم کی اور دعا دی چند منٹ کے بعد منبر پر تشریف
لے گئے، پہلے ایک فارسی قصیدہ حضرت امیر المومنین کی شان
میں شمس تبریز یا کسی دوسرے نامی صوفی کا پڑھا پھر چند منٹ
کچھ فضائل اہل بیت اور خاتمہ پر جناب علی اصغر کی شہادت بیان
کی، تقریر کے بعد کہنے لگے ـ میں تقریر کرنے نہیں آیا تھا صرف
حیدری صاحب کا بیان سننے آیا ہوں، وہ منبر سے اُترے اور میں نے
ایک گھنٹے کے قریب فضائل و مصائب عترتِ اہل بیت طہار بیان کیے

---

[1] سرگزشت از نقاء علی حیدری صفحہ ۳۶، ۳۷ (کراچی ۱۹۶۳ء)

لوگ بے حد متاثر ہوئے، ختم تقریر کے بعد مجھ سے گلے ملے اور میرے کان میں کہا "نجم الحسن[1] سے کہہ دینا کہ علی حسین ملا تھا" جب میں نے لکھنؤ پہنچ کر قبلہ و کعبہ سے یہ سارا واقعہ بیان کیا بے ساختہ کھل کھلا کر ہنس پڑے اور فرمایا یہ مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ کے شاگرد ہیں"

اس عہد میں جو غیر مسلم داخل اسلام ہوتے تھے وہ اثنا عشری —— مسلک کے متبع نظر آتے ہیں اس سلسلہ میں محمد حسین قتیل فریدآبادی (م ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء) اور محمد رام فدوی لاہوری کی مثالیں موجود ہیں کہ یہ دونوں نومسلم عقیدتاً شیعہ تھے اور اس مسلک کا اس قدر غلبہ تھا کہ ہندو مصنفین بھی حمد و نعت کے بعد منقبت علیؑ یا ائمہ اطہار لکھنی ضرور سمجھتے تھے، وقائع عالم شاہی کا مؤلف کنور پریم کشور فراقی لکھتا ہے[2]

"صلوات بے غایات و نیاز بے نہایات بر ابن عم و وصی اعظم
اکرم مظہر العجائب و اسد اللہ الغالب و صاحب ذوالفقار و
قسیم الجنۃ والنار است"

دیا شنکر نسیم مثنوی گلزار نسیم میں لکھتے ہیں:

---

[1] نجم الحسن مشہور مجتہد و مہتمم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

[2] وقائع عالم شاہی از کنور پریم کشور فراقی مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی صفحہ ۲ (رام پور ۱۹۴۹ء)

پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے
یعنی کہ مطیع پنج تن ہے

راجا رتن سنگھ زخمی (ف ۱۲۶۷ھ) ایک "قصیدہ ہفت بند" حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں (۱۲۵۴ھ ۱۸۳۸ء) میں لکھا ہے اس کے آخری بند کے تین شعر درج ذیل ہیں [1]

تا بہ کے دردو غم ندارد بیش ازیں زخمی دگر
زود رحمے کن بحالش اے شہ والا مقام
تا بکے ایں درد غربت تا کے ایں رنج سفر
در بریلی باز کے بینم دل خود را بکام
بر تو شاہا صد سلام و بر تو شاہا صد درود
زخمی غم دیدہ را بہر خدا درباب زود [2]

اس دور میں امارت و وزارت، جاگیر داری و منصب داری کے عہدوں پر شیعہ حضرات فائز تھے اور رفاہ معیشت بھی ان کو حاصل تھی اسی لئے فریقین اہل سنت و اہل تشیع میں مناکحت و مصاہرت کے رشتے بھی ہوتے تھے اور اس طرح بھی ان کے مسلک کی اشاعت ہوتی تھی قاضی ثناء اللہ پانی پتی (ف ۱۲۲۵ھ ۱۸۱۰ء) اپنے وصیت نامہ میں ان امور کی طرف خاص طور سے نشان دہی کرتے

---

[1] قصیدہ ہفت بند حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے دیکھئے معتمد علی گڑھ بابت ۱۵ اپریل ۱۹۲۶ء

[2] بعض حضرات کا خیال ہے کہ مزاقی اور زخمی مسلمان ہو گئے تھے اگر ایسا ہے تو وہ فارسی اور قتیل کے سابق محشور ہوں گے۔

ہوئے فرماتے ہیں [1]

"از جملہ تقدیم مصلحت دینی بر مصلحت دنیوی آنست کہ در مناکحت دینداری کا منظور دارد وچوں دریں زمانہ دریں شہر مذہب روافض بسیار شیوع یافتہ است و شرفا بیشتر بر علو نسب یا رفاہ معیشت نظر می دارند اول رعایت ایں باید کہ دختر بکسے رافضی یا متہم برفض اگرچہ صاحب دولت عالی نسب باشد نباید داد در روز قیامت سوائے دین و تقوی ہیچ بکار نخواہد آمد و نسب را نخواہند پرسید"

قاضی صاحب اپنی معرکۃ الآرا تصنیف السیف المسلول کے آغاز میں مذہب روافض بسیار شیوع یافتہ است" کی تشریح اس طرح کرتے ہیں [2]

"روافض خصوصاً اثنا عشریہ در زمانہ دریں وقت دریں دیار مذہب اثنا عشریہ ظہورے پیدا کردہ و بسبب جہل و حمق اکثر اہل زمان خصوصاً بعض از اہل بلدہ پانی پت کہ آباد و اجداد شاں اہل سنت و ایمان بودند گمراہ شدند فقیر خواست کہ کتاب بعبارت فارسی آسان در رد روافض نویسد تا ہر عامی از آں نفع گیرد و شاید کہ کسے براہ ہدایت آید و اجر و ثواب

---

[1] مجموعہ وصایا اربعہ مرتبہ محمد ایوب قادری صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ ۱۹۶۴ء

[2] السیف المسلول از قاضی ثناء اللہ پانی پتی صفحہ ۲ مطبع احمدی دہلی ۱۲۶۵ھ

بر اقسام عابد گردد"

قاضی صاحب نے عبدالرحیم شیعی ملتانی کے رد میں ایک اور رسالہ "شہاب ثاقب بر دالرروافض الشیاطین المارد بن" تصنیف کیا جو مطبع محمدی دہلی میں طبع ہوچکا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیعیت و تفضیلیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو اس دور میں اکابر مشائخ نقشبندیہ شاہ ولی اللہ دہلوی رح حضرت مرزا مظہر جان جاناں رح حضرت شاہ غلام علی نقشبندی رح حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح وغیرہم نے بڑی پامردی اور ہمت سے روکا۔ اور ان حضرات کے بعد سب سے زیادہ کوشش اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز رح نے کی نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ یہ سیلاب بڑھتے بڑھتے خود ان کے خاندان میں داخل ہوچکا تھا۔ ان کے شاگرد اور رشتہ دار قمرالدین منت شیعہ ہوچکے تھے ان حالات میں شاہ عبدالعزیز نے قلمی جہاد فرمایا، اس سلسلہ میں ان کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی دو معرکتہ آرا تصانیف ازالۃ الخفاء اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین نے مشعل راہ کا کام دیا ہوگا۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد کے مشن کو جاری رکھا اور "ہر چہ پدر تمام نہ کند پسر تمام کند" کے مقولہ کو ثابت کر دکھایا۔

اس سلسلہ میں شاہ عبدالعزیز کی سب سے معرکتہ الآرا تصنیف تحفہ

لے ملفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ ۹۲

اثناء عشریہ" ہے جو اپنے موضوع پر نہایت مدلل، مفصل، متوازن اور واضح کتاب ہے۔ علمائے محققین اس کی تعریف میں رطب اللسان اور علمائے مخالفین اس کے دلائل و براہین کے سامنے عاجز ہیں شاہ صاحب کا انداز بیان نہایت حکیمانہ اور متاثر کن ہے۔ کلامی مباحث کو دل نشین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ رشتۂ اعتدال کو کہیں ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔ حوالے نہایت ذمہ داری اور احتیاط سے نقل کئے گئے ہیں۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں [۱]

"دریں رسالہ انچہ ز کتب معتبر شیعہ منقول است احتمال
افترا و بہتان را دراں گنجائش ندہد زیرا کہ کتب منقول
عنہا از مشاہیر کتب شیعہ و معتبرات ایشاں اند باید کہ بے
دماغی نفرماید و نقل را با اصل مطابقت دہد وتا ناں نترسد کہ
اگر صحت نقل ظاہر شود تقبیل آں لازم گردد"

تحفۂ اثنا عشریہ کے سبب تالیف کے متعلق خود شاہ صاحب لکھتے ہیں [۲]

"غرض از تسوید ایں رسالہ و تحریر ایں مقالہ آں است
کہ دریں بلاد کہ ما ساکن آنیم و دریں زماں کہ ما در آنیم رواج
مذہب اثناء عشریہ و شیوع آں بحدے اتفاق افتادہ کہ کم خانہ

---

[۱] تحفہ اثناء عشریہ از شاہ عبدالعزیز صفحہ ۳

[۲] تحفہ اثناء عشریہ صفحہ ۲ د فخر المطابع دہلی سنہ ۱۲۶۹ھ

باشد کہ یک دو کس ازاں خانہ بآں مذہب متمذہب نباشند
و درا غضیہ، بایں عقیدہ نشوند لیکن اکثرے از حلیہ علم تاریخ و اخبار
خود عاطل و از احوال اصول و اسلاف خود بے خبر و غافل می
باشند، ہرگاہ در محافل و مجالس با اہل سنت وجماعت
گفتگو می نمایند کج مج می گزیند و بیشتر گمرہ می آیند حسبۃً للہ
تعالیٰ، بتحریر ایں رسالہ پرداختہ شد تا در وقت مناظرہ از جادۂ
خود بیروں نروند و اصول خود را منکر نشوند و در بعضے از امور
واقعی شک و تردد را راہ ندہند و دریں رسالہ التزام کردہ شد
کہ در نقل مذاہب شیعہ و بیان اصول ایشاں و الزاماتے کہ عاید
بایشاں می شود تعبیر از کتب معتبرہ ایشاں منقول عنہ نباشد؟
تحفہ کو بارہ اماموں کی نسبت سے مندرجہ ذیل بارہ ابواب میں تقسیم کیا
گیا ہے۔

باب اول، در کیفیت حدوث مذہب تشیع و انشعاب آں بفرق مختلفہ
باب دوم، در مکائد شیعہ و طرق اضلال و تلبیس
باب سوم، در ذکر اسلاف شیعہ علماء و کتب ایشاں
باب چہارم، در احوال اخبار شیعہ و ذکر رواۃ اینہا
باب پنجم، در الہیات
باب ششم، در نبوات
باب ہفتم، در امامت

باب ہشتم ، در معاد

باب نہم ، در مسائل فقہ

باب دہم ، در مطاعن خلفاء ثلثہ وام المومنین و دیگر صحابہ

باب یازدہم ، در خواص مذہب شیعہ ، اوہام ، تعصبات ، ہفوات

باب دوازدہم ، در تولا و تبرا

شاہ صاحب نے تحفہ اثنا عشریہ بارھویں صدی کے گذرنے کے بعد لکھا ہے خود فرماتے ہیں [1]

"بعد از انقضاء قرن ثانی عشر از ہجرت خیر البشر علیہ التحیہ
والسلام صورت تالیف پذیرفتہ وجلوہ ظہور گرفتہ"

خاتمہ کتاب میں لکھتے ہیں [2]

"این نسخہ عجیبہ کہ مسمّٰی بہ تحفہ اثنا عشریہ است بعد از گذشتن
دوازدہ قرن صدی از ہجرت حضرت خیر الانام علیہ وعلیٰ اہل
بیتہ واصحابہ التحیۃ والسلام سمت تحریر یافت ، نقش اختتام
پذیرفت"

تحفہ اثناء عشریہ ۱۲۰۴ھ (۱۷۸۹-۹۰ء) میں تالیف ہوا کسی نے تاریخ تالیف کہی ہے [3]

تحفہ را یک فن مداں کہ درد　　سوئے ہر معرفت سراغ آمد

[1،2] تحفہ اثناء عشریہ صفحہ ۲ - ۴۰۱

[3] ملفوظات عزیزی صفحہ ۷۰

سوئے الفاظ معانی اش بنگر — ہست دریا کہ در ایاغ آمد

بلکہ نور ہدایت است بیقین — سال تصنیف او "چراغ" آمد

سنہ ۱۲۰۴ھ

تحفہ اثنا عشریہ کے رد میں شاہ صاحب کے ایک معاصر حکیم مرزا محمد المتخلص بہ کامل دہلوی (وفات ۱۲۳۵ھ/۲۰-۱۸۱۹ء) نے سب سے پہلے قلم اٹھایا اور انہوں نے تحفہ اثنا عشریہ کی تالیف کے دو سال بعد ایک کتاب نزہت اثنا عشریہ ۱۲۰۶ھ/۹۲-۱۷۹۱ء میں تالیف کی [1] تحفہ اثنا عشریہ ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں امیر الامراء کے مرنے کے بعد لکھا گیا۔ مرزا کا انتقال ۶ اپریل ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء میں ہوا ہے۔

مرزا نجف خاں کے مرنے کے بعد دہلی کی سیاست پر مرزا نجف خاں کی بہن خدیجہ سلطان بیگم، اور اس کی پارٹی کے چار ممتاز رکن افراسیاب، مرزا شفیع، نجف قلی خاں اور محمد بیگ ہمدانی پوری طرح اثر انداز رہے [2] اول الذکر افراسیاب اور مرزا شفیع نجف خاں کے پروردے اور متبنّیٰ تھے اور مرزا نجف خاں کے مرنے کے بعد ہی دونوں امیر الامرائی کے منصب پر قابض ہوئے [3] ان دونوں کے خاتمہ کے بعد مہاداجی سیندھیا اور غلام قادر روہیلہ کا عمل دخل ہوا

---

[1] نجوم السماء کی تالیف ۱۲۸۶ھ میں ہوئی ہے اور اس وقت وہ لکھتا ہے کہ نزہت اثنا عشریہ کی تالیف کو اسی سال ہو گئے (ملاحظہ ہو نجوم السماء صفحہ ۳۵۹)۔

[2،3] اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو فال آف دی مغل ایمپائر جلد سوم صفحہ ۱۶۴ - ۱۹۷ (کلکتہ ۱۹۵۳ء)

مگر اس وقت بھی شیعہ امراء زین العابدین (برادر مرزا نجف خاں)، نجف قلی خاں، محمد بیگ ہمدانی اور اسماعیل بیگ ملکی سیاست پر پوری طرح چھائے ہوئے[1] تھے ان لوگوں کے اقتدار، تشیع کے عام غلبہ اور اودھ کے نواب وزیر کے سیاسی اثر و استیلاء کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثنا عشریہ میں بحیثیت مصنف اپنا نام لکھنا مناسب نہ سمجھا اور انھوں نے مصنف کی حیثیت سے اپنا غیر معروف (تاریخی) نام "غلام حلیم بن شیخ قطب الدین احمد"[2] لکھا ہے تحفہ اثناء عشریہ نے شیعیت اور تفضیلیت کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنے میں بہت کام کیا۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں[3]

> "غرض کہ منظور رد ایں مذہب بود کہ مردم بدیدن ایں کتاب در آں اعتقاد سست شوند یا ترک نمایند الحمد للہ کہ ایں معنی حاصل شد منظور فقیر ازیں مقدمات سلوک ایں طریق جدید بیاذہان اولی الالباب و طالبان راہ صواب بود الحمد للہ کہ حاصل شد"

---

[1] اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو فال آف دی مغل ایمپائر جلد سوم صفحہ ۱۶۴ - ۱۹۷ (کلکتہ ۱۹۵۳ء)

[2] شاہ عبدالعزیز کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی کا نام قطب الدین احمد بھی تھا

[3] فتاوائے عزیزی جلد اول (بہ تصحیح مولوی محمد احسن نانوتوی) صفحہ ۱۳۱ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۱ھ)

مرزا محمد علی مؤلف نجوم السماء لکھتے ہیں[1]

"چوں فاضل عزیز تحفۂ خود را ظاہر نمود اضلالت شیوع گرفت و مردم جہاں و ناحق بیں بطرف آں گردیدند"

تحفہ اثنا عشریہ کے متعلق سرسید احمد خاں (ف ۱۸۹۸ء) لکھتے ہیں[2] "اوائل حال میں فرقہ اثنا عشریہ نے شورش کو بلند کیا اور باعث تفرقہ خاطر جہال اہل تسنن کے ہوئے حضرت شاہ عبدالعزیز نے بسبب التماس طالبین کمال کے کتاب تحفہ اثنا عشریہ کہ فایت شہرت محتاج بیان نہیں بدل توجہ قلیل بصرف اوقات وجہیز سے باوں کثرت ضخامت تصنیف کی کہ دقت عبارت اس کتاب کی اس طرح سے زبانی ارشاد کرتے جاتے تھے کہ گویا ازبر یاد ہے اور حوالہ کتب شیعہ کے جن کو علمائے فرقہ مذکور نے شاید بجز نام کے سنا نہ ہوگا، یا عتماد حافظہ بیان ہوتے جاتے تھے اور اس پر متانت عبارت اور لطائف وظرافت جیسے ہیں ناظرین پہ ہویدا ہے"

سرسید احمد خاں نے ۱۸۴۴ء میں تحفہ اثنا عشریہ کے دسویں اور بارھویں باب کا اردو ترجمہ "تحفہ حسن" کے نام سے شائع کیا[3] یہ دونوں باب خلفائے

---

[1] نجوم السماء صفحہ ۳۵۲ [2] تذکرہ اہل دہلی (آثار الصنادید باب چہارم) از سرسید احمد خاں مرتبہ احمد میاں اختر جوناگڑھی، صفحہ ۵۲، ۵۴ (انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۱۹۵۵ء) [3] سیرت فریدیہ از سرسید احمد خاں (مرتبہ حکیم محمود احمد برکاتی)، صفحہ ۱۷ (پاک اکیڈمی، کراچی ۱۹۶۴ء)

ثلاثہ، ام المومنین اور صحابہؓ کے مطاعن کے جواب اور تولا و تبرا بیان کیے ہیں، سرسید نے یہ ترجمہ اپنے استاد مولوی نورالحسن صاحب کی مدد سے کیا تھا چنانچہ سید صاحب خود اسی میں لکھتے ہیں "مجھ میں ایسی قابلیت نہ تھی کہ جو میں اس کتاب کا ترجمہ کر سکتا لیکن استاذی مولوی نورالحسن کاندھلوی کی مدد سے یہ کام انجام کو پہنچا"۔ [1] یہ تحفہ اثنا عشریہ کا (جزوی طور سے) پہلا اُردو ترجمہ ہے جو سرسید احمد خاں کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جنگ آزادی سے دس بارہ سال پہلے بھی اس مسلک کا اس قدر زور تھا کہ سرسید احمد خاں جیسے معتدل مصلح نے بھی اس موضوع پر کتاب لکھنی ضروری سمجھی۔ حالانکہ جب علامہ شبلی نے "الفاروق" کی تالیف شروع کی تو سرسید احمد خاں کو خیال ہوا کہ کہیں شیعہ و سنی بحث پھر شروع نہ ہو جائے۔

تحفہ اثنا عشریہ کے متعلق شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں [2]

"تحفہ اثنا عشریہ فی الحقیقت ایک عہد آفریں کتاب ہے اور شاہ عبدالعزیزؒ نے اس کی تالیف میں بے حد محنت اور جانفشانی

---

[1] سرسید کا علمی کارنامہ از قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی صفحہ ۳۵ (ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی ۱۹۶۴ء)

[2] رود کوثر از شیخ محمد اکرام صفحہ ۵۷۱، ۵۷۲ (لاہور ۱۹۵۸ء)

سے کام لیا اس سے پہلے مختلف شیعہ سنی مسائل پر کتابیں
تصنیف ہوئیں خود شاہ ولی اللہ صاحب نے قرۃ العینین فی
تفضیل الشیخین، ازالۃ الخلفا اور بعض رسائل میں ان مسائل سے بحث
کی تھی لیکن ایسی جامع ومانع کتاب کوئی نہ تھی فی الحقیقت تحفۂ اثنا
عشریہ شیعہ سنی مسائل کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے کتاب کا مطبوعہ نول
کشوری ایڈیشن بڑی تقطیع کے ساڑھے چھ سو صفحوں پر محیط ہے
لیکن چونکہ بیان میں بڑے ایجاز واختصار سے کام لیا گیا ہے اسلئے
مطالب ومعانی اور دلائل وحوالے بے شمار آگئے ہیں کتاب کے جامع
ومانع ہونے کے علاوہ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ روایات و
بیانات کے بیان میں فقط مستند از معتبر شیعہ کتب پر انحصار
کیا گیا ہے اور تواریخ وتفسیر میں سے فقط ان ہی چیزوں کو
چُنا ہے جن پر شیعہ سنی دونوں فریق متفق ہیں کتاب کی زبان
اور طرز بیان بھی متین اور جذباتہ ہے۔[1]

علمائے شیعہ نے تحفہ کے رد میں پوری کوشش کی ہے مگر اس کے ساتھ ہی شاہ عبدالعزیز کے علمی وقار ومرتبہ کو بھی مجروح کرنے کی مذموم سعی کی ہے کبھی تو یہ الزام تراشا کہ اس کی تصنیف میں دوسرے علماء بھی شریک رہے ہیں اور اس بات کو شہرت دی کہ یہ کتاب مسروقہ ہے اور خواجہ نصر اللہ کابلی کی "صواعق مولقہ" کا فارسی ترجمہ ہے[1] لکھنؤ میں یہ اعتراض بڑی شد ومد سے کیا گیا۔ چنانچہ شاہ

---

[1] نجوم السماء صفحہ ۳۵۳، ۳۵۸

صاحب نے اپنے تلمیذ رشید مرزا حسن علی محدث لکھنوی (ف ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء) کے ایک استفسار کے جواب میں ایک طویل مکتوب ارقام فرمایا ہے جس سے نہ صرف یہ بے بنیاد اعتراض رفع ہو جاتا ہے بلکہ تحفہ اثناء عشریہ کے ماخذ اور اس کی ترتیب پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں [1]

"در وقت تصنیف تحفہ اثناء عشریہ از کتاب ہائے اہلسنت کہ در رد مذہب شیعہ و کتب شیعہ کہ در رد مذہب اہل سنت تالیف شدہ سہ قسم بہم رسیدہ بود قسم اول در مجادلہ این مسئلہ خاص یعنی اثبات خلافت خلفائے ثلثہ و در رد آں مثل نواقض الروافض و مرافض الروافض و صواعق محرقہ و شرح تجرید از طرف اہل سنت و مصائب النواصب و در د شبہات الاعور و اظہار الحق و سفینۃ النجات از طرف شیعہ قسم دوم آں کتاب ہا است کہ در مسئلہ امامت و شروط آں و مواقع آں بہ تفصیل تصنیف شدہ مثل بحث امامت در شرح مقاصد و شرح مواقف و طوالع الانوار و اربعین از طرف اہل سنت و تصانیف علامہ حلی و مقداد و حدائق مولیۃ در رد صواعق محرقہ و مقداد از طرف شیعہ قسم سوم آں است کہ تمام مذہب شیعہ را ہم در الٰہیات و ہم در معاد و ہم در امامت و ہم در روایت احادیث و ہم در اصول رد

---

[1] فتاویٰ عزیزی جلد اول صفحہ ۱۲۹، ۱۳۱

کردہ اند مثل ابطال الباطل و صواعق مولفہ تالیف،
نصر اللہ کابلی از طرف اہل سنت منہج الحق علامہ حلی و احقاق
الحق نیز ہمیں ترتیب دارد و ابطال الباطل نیز ہمیں
ترتیب دارد لیکن ترتیب صواعق بسیار مختصر و خوش نما
بہ نظر آمد ہماں را اختیار کردہ شد مگر مبحث تولا و تبرا
دراں نبود و شرح حدیث الثقلین نیز دراں نبود و مسئلہ
انکار نبوت و الحاد کہ لازم مذہب شیعہ است بشرح و بسط
نیز دراں نبود ایں الباب افزودہ شد و باب مطاعن و
جواب آں اصلا دراں کتاب مذکور نیست و نیز در صواعق
اکتفا بر دلائل کلامیہ نمودہ در روایات از کتب امامیہ کوشیدہ
شاید ایں کتاب را ترجمۂ آں گفتن محض نظر بظاہر ترتیب آں
می تواند شد مانند آں کہ مواقف را از طوالع و مسلم را از مختصر
مختصر الاصول ابن حاجب ماخوذ دانند حالا فرق واضح شد
پس فی الحقیقت ایں را ترجمہ قرار دادن کہ دور از عقل و
ادراک است در ہر دو کتاب نظر تامل بکار بردہ شود تا ایں
خیال بالکلیہ زائل گردد"

تحفہ اثنا عشریہ متعدد مطابع میں چھپتا رہا ہے اس کا اردو ترجمہ بھی
شائع ہو چکا ہے پہلا اردو ترجمہ مولوی عبد المجید خاں پیلی بھیتی نے کیا تھا جو
ہدیۂ مجیدیہ کے نام سے شائع ہوا تھا۔ حال میں کارخانہ تجارت کتب (کراچی) نے

بھی اردو ترجمہ شائع کیا ہے ترجمہ کے فرائض مولوی سعد حسن خاں یوسفی نے انجام دیئے ہیں۔ تحفہ اثنا عشریہ کا عربی ترجمہ مولوی اسلمی مدراسی (ف سنہ ۱۲۷۴ھ) نے کیا کہا جاتا ہے کہ نواب علی محمد خاں والا جاہ کے صاحبزادے نے عربی ترجمہ عرب بھیجا تھا [۱] مولانا اسلمی کے عربی ترجمہ کی تلخیص مصر سے شائع ہو چکی ہے۔

اب ہم شیعہ علماء کی ان کوششوں کا جائزہ لیتے ہیں جو انہوں نے تحفہ اثنا عشریہ کے رد کے سلسلہ میں صرف کی ہیں اس ضمن میں حکیم مرزا محمد المتخلص بہ کامل دہلوی (ف سنہ ۱۲۳۵ھ) کا نام سرفہرست ہے وہ اپنے دور کے نامور فاضل اور طبیب تھے اور بقول مؤلف نجوم السماء تحفہ کی تالیف سے پہلے حکیم صاحب اور شاہ عبدالعزیز کے درمیان آپس میں ملاقات کا سلسلہ جاری تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے (۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۱-۹۲ء) میں نزہت اثنا عشریہ کتاب تالیف کی مؤلف نجوم السماء نے نزہت اثنا عشریہ کا ایک طویل اقتباس اپنی کتاب میں نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب تہذیب و متانت اور شرافت و ثقاہت کے دامن کو چھوڑ کر سب و شتم پر اتر آئے ہیں [۲] مرزا محمد

[۱] ملفوظات عزیزی صفحہ ۷۰

[۲] نجوم السماء صفحہ ۳۴۵ تا ۳۵۷

نے نزہت اثنا عشریہ کا دوسرا نام نصرۃ المومنین ودولۃ الشیاطین رکھا۔[1] اس کتاب میں تحفہ کے پہلے، تیسرے، چوتھے، پانچویں اور نویں باب کا رد کیا گیا ہے مؤلف نجوم السماء کا بیان ہے کہ نزہت اثنا عشریہ کے جواب میں شاہ عبدالعزیز نے ایک رسالہ عزۃ الراشدین لکھا جس کے جواب دینے سے حکیم مرزا محمد نے اعراض کیا مگر ایک دوسرے شیعہ عالم حکیم باقر علی خاں نے جو اپنے آخر زمانے میں دہلی میں رہ پڑے تھے عزۃ الراشدین کے جواب میں ایک کتاب معین الصادقین لکھی عزۃ الراشدین کا دوسرے شیعہ علماء نے بھی جواب لکھا۔[2]

دوسرا قابل ذکر نام مجتہد العصر سید دلدار علی (ف ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء) کا ہے ان کی تبلیغی کوششوں کا اوراق گزشتہ میں جائزہ لیا جا چکا ہے انہوں نے تحفہ اثنا عشریہ کے مختلف ابواب ومضامین کی تردید میں مختلف چھ رسالے۔

(۱) صوارم الٰہیات

(۲) حسام الاسلام

(۳) احیاء السنۃ

---

[1] نجوم السماء ۳۵۸،۳

[2] نجوم السماء صفحہ ۳۵۹

نے نزہت اثناء عشریہ کا دوسرا نام نصرۃ المومنین دولۃ الشیاطین رکھا تھا لہ اس کتاب میں تحفہ کے پہلے ، تیسرے ، چوتھے ، پانچویں اور نویں باب کا رد کیا گیا ہے مؤلف نجوم السماء کا بیان ہے کہ نزہت اثناء عشریہ کے جواب میں شاہ عبدالعزیز نے ایک رسالہ عزۃ الراشدین لکھا جس کے جواب دینے سے حکیم مرزا محمد نے اعراض کیا مگر ایک دوسرے شیعہ عالم حکیم باقر علی خاں نے جو اپنے آخر زمانے میں دہلی میں رہ پڑے تھے عزۃ الراشدین کے جواب میں ایک کتاب معین الصادقین لکھی عزۃ الراشدین کا دوسرے شیعہ علماء نے بھی جواب لکھا ہے

دوسرا قابل ذکر نام مجتہد العصر سید دلدار علی (ف ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء) کا ہے ان کی تبلیغی کوششوں کا اوراق گزشتہ میں جائزہ لیا جا چکا ہے انہوں نے تحفہ اثناء عشریہ کے مختلف ابواب و مضامین کی تردید میں مختلف چھ رسالے۔

(۱) صوارم الٰہیات

(۲) حسام الاسلام

(۳) احیاء السنۃ

لہ نجوم السماء ۳۵۸۳

لہ نجوم السماء صفحہ ۳۵۹

(۴) رسالہ ذوالفقار

(۵) کتاب صوارم (رسالہ در اثبات امامت)

(۶) رسالہ غیبت لکھے [۵۱]

مجتہد العصر کے فرزند سید محمد (ف ۱۸۶۷ء) نے تحفہ اثنا عشریہ کے رد میں دو رسالے البوارق فی مبحث الامامت و طعن الرماح فی مبحث فدک والقرطاس لکھے [۵۲] اور ان کے تلمیذ مفتی سید محمد قلی خاں کنتوری (ف ۱۲۶۰ھ) نے تحفہ کے رد میں متعدد رسالے لکھے انہوں نے پہلے باب کے رد میں سیف ناصری دوسرے باب کے رد میں تقلیب المکائد، ساتویں باب کے رد میں برہان السعادت اور آٹھویں باب کے رد میں تشئید المطاعن وکشف الضغائن اور گیارھویں باب کے رد میں مصارع الافہام لکھیں تشئید المطاعن دو ضخیم جلدوں میں ہے [۵۳] اور مفتی کنتوری کے فرزند مولوی حامد حسین نے اپنی تمام

---

[۵۱] نجوم السماء صفحہ ۳۵۰

[۵۲] الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند از سید عبدالحی صفحہ ۲۲۰ (دمشق ۱۹۵۸ء)

[۵۳] نجوم السماء صفحہ ۴۲۲ نیز دیکھئے الذریعہ الی تصانیف الشیعہ از محمد محسن جلد سوم صفحہ ۹۶ (نجف ۱۳۵۷ھ)

عمدۂ تحفہ کے رد میں صرف کردی۔ سید عبدالحیؒ لکھتے ہیں[۱]

"فسانہٗ صرف عمرہ فی الرد علی التحفہ"

ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ میں ہے کہ حسن رضا خاں نے تحفہ کے رد کے لئے علامہ تفضل حسین خاں (۱۲۱۵ھ) سے کہا تھا مگر انہوں نے اس کا رد لکھنے سے انکار کر دیا[۲]

شاہ عبدالعزیزؒ نے تحفہ اثنا عشریہ کے خاتمہ کے علاوہ پر ایک رسالہ "سر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل" لکھا ہے جس میں انہوں نے عقلی و نقلی دلائل سے فضیلت شیخین رضؓ کو "کالشمس فی النہار" کی طرح واضح کیا ہے یہ رسالہ گیارہ مقدمات پر مشتمل ہے شاہ صاحب اس رسالہ کے سبب تالیف میں لکھتے ہیں۔

"چوں از تسوید و تبییض تحفہ اثنا عشریہ
بعون عنایت الٰہی فراغت حاصل شد
بعضے از دوستان صادق و یاران
موافق با آرزوئے تمام اشتیاق لاکلام
استدعائے نمودند کہ مسئلہ تفضیل را

۱۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند از سید عبدالحیؒ صفحہ ۲۴۰

۲۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ صفحہ ۷۱۲

نیز تفضیلے لائق دادہ شود تا دریں مباحث
کہ نقل ہر مجلس و شعلہ ہر محفل اند تعطشی
باقی نماند بر آں ایں رسالہ مختصر
بطریق عجالہ آں وقت تحریر در آمد
کہ مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ " سمیتھا
بالسر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل "

رسالہ کے خاتمہ میں لکھتے ہیں ۔

"چوں ایں مقدمات احدی عشر تمام شد
خاتمہ کتاب تحفہ اثناء عشریہ تمام شد

رسالہ سر الجلیل فی مسئلہ التفضیل، فتاوای عزیزی کی جلد دوم میں شامل ہے، اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ مولانا رشید احمد گنگوہی (ف ۱۹۰۵ء) کے کتب خانہ سے مفتی محمد شفیع دیوبندی صاحب کو دستیاب ہوا تھا مفتی صاحب نے مولوی عتیق احمد دیوبندی مدیر قاسم العلوم دیوبند کی فرمائش پہ اس کا اردو ترجمہ ۱۳۴۹ھ میں رسالہ قاسم العلوم کی مختلف اشاعتوں میں شائع کیا تھا۔ پھر یہ رسالہ علیحدہ کتابی صورت میں شائع ہوا۔ مفتی صاحب کا وہی ترجمہ ان کی اجازت سے اس مجموعہ میں شامل ہے۔

شاہ عبدالعزیز نے ایک دوسرا رسالہ عزیز الاقتباس

فی فضائل اخیار الناس تحریر فرمایا اس میں شاہ صاحب نے وہ احادیث جمع فرمائی ہیں جو خلفائے اربعہ کے فضائل میں مروی ہیں اس رسالہ کا آخری حصہ ان احادیث پر مشتمل ہے جو اہل بیت کے فضائل میں ہیں اس کا فارسی ترجمہ مرزا حسن علی لکھنوی نے کیا تھا ۱۹۰۴ء میں یہ رسالہ تطہیر الدین.. سید احمد ولی اللہی کی سعی سے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے ترجمہ اور تحشیہ کے فرائض مولوی نظام الدین کیرانوی نے انجام دیئے ہیں۔ اس پر نظر ثانی حکیم عبدالغفور مرحوم نے فرمائی ہے یہ رسالہ بھی اس مجموعہ میں شامل ہے۔

اس موضوع پر شاہ صاحب کا ایک اور رسالہ "وسیلۃ النجات" ہے جس میں شاہ صاحب نے کسی شخص کے سوال کے جواب میں دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ فرقہ ناجیہ "اہل سنت و جماعت" ہے اور اس رسالہ میں شاہ صاحب نے بڑی حد تک نصوص قرآنی ہی کو بنیاد بنایا ہے اور صحابہ کرام کے مرتبہ کو بڑے مؤثر کن انداز میں بیان کیا ہے یہ رسالہ بھی فتاوی عزیزی جلد اول میں شامل ہے اور علیحدہ بھی متعدد بار چھپ چکا ہے، یہ رسالہ بھی اس مجموعہ میں شامل ہے، اردو ترجمہ پر نظر ثانی کے فرائض مولوی حکیم عبدالغفور وفات ۱۴ اگست ۱۹۶۴ء)

نے انجام دیئے ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ نے بہت سے ان مسائل کا مفصل بیان کیا ہے جو اس زمانے میں شیعہ سنی مباحث کے موقعہ پر زیر بحث آتے تھے یہ تمام مسئلے فتاوئ عزیزی میں موجود ہیں۔ اگر ان مسائل کی تبویب کی جائے تو بآسانی معلوم ہو جائے گا کہ شیعیت اور تفضیلیت کے متعلق ہر مسئلہ پر شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے اور مذہب اہل سنت و جماعت کی حقانیت کو ثابت کیا ہے

شاہ عبدالعزیزؒ کے آخر الذکر تینوں رسالے

(۱) سر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل

(۲) عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس

(۳) وسیلۃ النجات ایک مجموعہ میں جمع کر دیئے گئے ہیں اور مجموعہ کا نام "فضیلت صحابہؓ و اہل بیت" رکھا گیا ہے مجموعہ کے آخر میں شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے بھائی شاہ رفیع الدین (ف ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء) کے مکتوبات بھی شامل کر دیئے ہیں یہ مکتوبات مختلف کتابوں اور رسالوں سے جمع کئے گئے ہیں۔ ان کا ترجمہ مولوی محمد سلیمان بدایونی مرحوم (ف ۱۹۶۳ء) اور مولوی محمد جمیل الدین بدایونی نے کیا ہے۔

پاک اکیڈیمی" کراچی کی کوششیں قابل تحسین اور مبارک باد

ہیں کہ اس نے شاہ عبدالعزیز رح کے ان نادر اور قیمتی رسائل کو فراہم کر کے "فضیلت صحابہ اور اہل بیت" کے نام سے شائع کیا ہے اللہ تعالیٰ جمیع مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ ان رسائل سے استفادہ کریں اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اعلیٰ مقام کو پہنچائیں۔

محمد ایوب قادری

یکم جمادی الاول سنہ ۱۳۸۴ھ

مطابق ۹ ستمبر سنہ ۱۹۶۴ء

بروز چہارشنبہ

۱۴۱ وحید آباد

کراچی ۱۸